استقبالِ قبلہ اور اس کے تقاضے

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

یوں تو مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی تمام جہات اللہ ہی کیلئے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جہت بھی۔ اس کی ذات بے ہمتا و بے مثال کے جلوؤں اور اس کی بے پایاں تجلیات سے عاری نہیں ہے۔ اس لئے کہ

اللّٰہ نُورُ السَّمٰوٰت وَالاَرض (۱) آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہی ہے۔

اسی کی ذات نے تمام جہات کو گھیرا ہوا ہے۔ مگر کوئی جہت اس کی ذات کو گھیر نہیں سکتی۔ وہ ہر قسم کی حد بندی۔ ہر قسم کی جسمانیت و جسم اور ہر نوع کے تحیز و تعین سے مبرا ہے۔ وہ ہر پہلو سے بے مثال بے عدیل ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰت وَالاَرض جَعَلَ لَکُم وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔
مِن اَنفُسِکُم اَزوَاجاً وَ مِنَ الاَنعَام اس نے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور
اَزوَاجاً یَذرَءُ کُم فِیہِ لَیسَ کَمِثلِہ چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے اور اسی طریق پر
شَیءٌ . (۲) تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔ اُس جیسی کوئی شئی نہیں۔

لیکن چونکہ انسان جسم وجسامت سے ماوریٰ نہیں ہے۔ اس کی ہر سوچ اور ہر فکر جسم وجسمانیات کے گرد ہی گھومتی ہے۔ اس کی نگاہ جہات ہی کی پابند ہے۔ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا۔ یہاں تک کہ اس کا جینا اور مرنا بھی تحیز و جہات ہی کا پابند ہے۔ اسی لئے یہ بات کوئی باعث تعجب نہیں ہے کہ جسم وجسمانیات اور حیز و جہات سے منزہ مبرا ذات، نے اپنی عبادت کرنے والوں کیلئے ایک خاص جہت" اور ایک خاص مقام کی پابندی کا حکم دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَلِکُلٍّ وِجهَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیھَا فَاستَبِقُوا اور ہر ایک فرقے کیلئے ایک سمت مقرر ہے۔

الخَيراتِ اَينَ مَاتَكُونُوايَأتِ بِكُمُ اللّٰہُ جَمِيعاً (۳)
جدھر وہ عبادت کے وقت منہ کرا کرتے ہیں۔ تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں بھی ہوگے۔ اللہ تم سب کولا جمع کریگا۔

مسلمان اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ ان کی امت کو اللہ تعالی نے دو عظیم الشان قبلوں کا حامل بنایا۔ پہلا قبلہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے انبیاء نے تعمیر کیا اور دوسرا قبلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور جد الانبیاء حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔

پہلا قبلہ سولہ یا سترہ ماہ تک رہا۔ اور دوسرا قبلہ قیامت تک کے عابد وزاہد انسانوں کا محور ومرجع رہے گا۔

قبلہ کی شناخت صرف نماز کی شرائط ہی میں نہیں۔ بلکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے امتیاز و تشخص اور ان کی قومی زندگی کی پہچان ہے۔ اس لئے اس کا مسلمان کی زندگی اور موت دونوں سے گہرا رشتہ ہے۔

مسلمانوں کی تمام مساجد "قبلہ رخ" تعمیر کی جاتی ہیں۔ لیکن حال ہی میں ۱۷ جولائی ۱۹۹۳ء کو جب جامعہ پنجاب کے شعبے "سپیس سائنس" (خلائی تحقیق) نے اعلان کیا کہ اہالیان پاکستان اپنا قبلہ درست کرلیں کیونکہ آج ایک بج کر کچھ منٹ پر سورج بیت اللہ شریف کے اوپر سے گزرے گا۔ تو اس موقع پر ایک جائزے کے مطابق اکثر مساجد کے قبلے غیر درست پائے گئے۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس اہم قومی مسئلے پر اہل علم کو متوجہ کیا جائے۔ یہ مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(الف) قبلہ کے لفظی معنی: لفظ قبلہ (وزن فعلةً) ایک سہ حرفی کلمہ ہے جس کا مادہ قبل قبلاً (ق۔ب۔ل) ہے۔ اس کے مادہ اصلی کے معانی حسب ذیل ہیں۔

قبل علی الشئی (ن): مشغول ہونا۔ لازم ہونا۔

قبل المکان: کسی طرف متوجہ ہونا۔ کہا جاتا ہے۔ **قبلت الماشیة الوادی۔**

متوجہ ہوا۔ جانور وادی کی طرف

ب) لفظ قبلہ اس مادہ سے اسم نوع ہے جس کے معنی جہت اور سمت کے ہیں۔ مشہور ماہر لغت امام اللحیانی رحمہ اللہ کے مطابق "قبلہ" سے مراد جھۃ المسجد۔ مسجد کا رخ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ ایں قبلتک (تیرا قبلہ کہاں ہے؟) اس سے یقینی طور پر اس کی جہت مراد ہے۔ (۴) امام النووی (۵) نے قبلہ کے لغوی معانی پر بڑی مفصل اور مبسوط بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

القبلة التی یصلی الیها معناها الجهة قال الهروی انما سمیت قبلة لان المصلی یقابلها وتقابله وقال الامام الواحدی فی البسیط القبلة والوجهة وهی الفعلة من المقابلة واصل القبلة فی اللغة الحالة التی یقابل الشئی غیره علیها کالجلسة للحال التی یجلس علیها الا انها الان صارت کالعلم للجهة التی تستقبل فی الصلوة (٦)

وہ قبلہ جس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اسکے معنی جہت کے ہیں۔ علامہ ہروی فرماتے کہ اس کو قبلہ اسلئے کہتے ہیں کہ نمازی اس کی طرف اور وہ نمازی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ امام الواحدی اپنی کتاب البسیط میں لکھتے ہیں۔ قبلہ جہت کو کہتے ہیں۔ اور مقابلہ سے فعلہ کے وزن پر ہے۔ اور لغوی طور پر قبلہ اس حالت کو کہتے ہیں جس پر ہوتے ہوئے کوئی شئی دوسرے کے بالمقابل ہو۔ جیسے جلسۃ اس حالت کو کہتے ہیں اجس پر کوئی شخص بیٹھا ہو مگر یہ کہ اب لفظ قبلہ اس جہت کا نام ہو گیا ہے جس کی طرف نمازی نماز میں رخ کرتا ہے۔

المہذب میں ہے۔

ان النبیؐ رکع رکعتین قبل الکعبة وقال هذه القبلة (۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔

اس روایت میں جو ارشاد ہوا ہے۔ ہذہ القبلہ۔ امام ابو سلیمان الخطابی فرماتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبلے کا حکم۔ اسی پر آ کر مستحکم ہو گیا ہے۔ اور آج کے بعد وہ منسوخ نہ ہو گا۔ لہذا تم لوگ ہمیشہ کیلئے اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو اور یہی تمہارا قبلہ ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

القفال کا قول ہے کہ قبلہ وہ جہت ہے جس کی طرف کوئی شخص اپنا چہرہ کرے۔ اور یہ لفظ مقابلہ (ایک دوسرے کی طرف منہ کرنے) سے ہے۔ اور قبلہ کو قبلہ اس لئے کہتے ہیں کہ نمازی اس کی طرف اور وہ نمازی کی طرف رخ کرتا ہے (۸)

اسی طرح ماہر لغت امام فیروز آبادی صاحب القاموس فرماتے ہیں۔

القبلہ کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ وہ سمت ہے جس کی طرف منہ کر کے نمازی نماز ادا کرتا ہے۔ اور اسی کو جہت اور کعبہ کہتے ہیں۔ (۹) علمائے لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ لغوی طور پر قبلہ کے معنی ہیں۔

۱۔ کعبہ کی طرف منہ کرنے کی حالت اور کیفیت

۲۔ کعبہ

۳۔ منہ کرنے کی جہت اور سمت

اردو زبان و ادب میں بھی لفظ قبلہ کا استعمال قریب قریب اسی معنی میں ہوتا ہے

(۳) اصطلاحی معنی و مفہوم: جہاں تک اصطلاح شریعت کا تعلق ہے تو استقبال قبلہ سے مراد نماز میں مصلی کا کعبہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ خواہ نمازی کسی شہر یا قصبہ اور جنگل میں ہی ہو۔ اور خواہ وہ مسجد حرام میں کعبہ کے سامنے حاضر و موجود ہو۔ اور خواہ اس سے دور ہو۔ اس بات کو ہم علمائے ہیئت کی زبان سے اگر سننا چاہیں تو اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) معراج الدرایہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

جہت کعبہ سے مراد وہ جانب ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی طرف منہ کرے۔ تو وہ کعبہ یا اس کی خلا کا تحقیقاً یا تقریباً مقابل ہو۔ تحقیقاً ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس کے چہرے کے سامنے سے افق کی طرف زاویہ قائمہ پر کوئی خط کھینچا جائے تو وہ کعبہ یا اس کے اوپر سے گزرنے والا ہو۔ اور تقریباً ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا رخ اس سے یا اس کی فضاء سے تھوڑا بہت ادھر ادھر ہو۔ مگر مکمل طور پر اس کے سامنے ہونے سے خارج نہ ہو۔ مثلاً اس طرح کہ اس کے چہرے کا کوئی حصہ اس کے یا اس کی فضا کے بالمقابل ہو۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ تھوڑے فاصلے میں دائیں یا بائیں تھوڑے سے انحراف سے بھی اس کا بالمقابل ہونا

باطل ہوجاتا ہے۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی صورت میں جب تک اس فاصلے کے مطابق انحراف نہ ہو اس وقت تک اس کا نحراف ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اگر ایک شخص ہاتھ (ذراع) کے فاصلے پر دوسرے کی طرف منہ کرے۔ تو اگر دونوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایک ذراع (ہاتھ) کے برابر ادھر ادھر ہو گیا تو یہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے بالمقابل ہونا ختم ہوجائے گا۔ اور اگر دونوں ایک دوسرے سے ایک میل فرسخ کے فاصلے پر ہوں تو ان دونوں کا بالمقابل اس وقت تک باطل نہ ہوگا جب تک وہ دونوں ایک دوسرے سے نو ذراع ادھر ادھر نہ ہوجائیں۔ اور چونکہ مکہ مکرمہ ہمارے شہروں سے بہت دور ہے لہذا زیادہ فاصلہ ہونے کی بنا پر اس کے بالمقابل ہونا بہت سے مقامات میں بیک وقت ثابت ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہمارے ان شہروں میں کعبہ کے سامنے کھڑے ہونے والے شخص کے سامنے سے اگر ایک خط کھینچا جائے اور پھر ایک دوسرا خط کھینچا جائے تو اس سامنے والے خط کو نمازی کے دائیں اور بائیں سے قطع کرے۔ تو اس کا کعبہ کے بالمقابل ہونا باطل نہ ہوگا۔ خواہ وہ اس خط پر دائیں اور بائیں کئی میل تک اس سے ادھر ادھر ہوجائے اسی لئے علمائے کرام نے قریبی شہروں کا قبلہ ایک ہی جانب متعین کیا ہے (۱۰)

اسی طرح کی عبارت ہمیں ردالمحتار، فتح القدیر، زادالفقیر، بحرالرائق، شیخ ابراہیم الحلبی، کی شرح الکبیر للمنیہ میں بھی ملتی ہے۔ کہ ان تمام فقہاء نے سمت کعبہ کی یہی تعریف کی ہے۔ البتہ صاحب فتح القدیر نے اس پر تھوڑا سا مزید اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس لئے علمائے کرام نے ایک شہر اور دو یا تین شہروں کا ایک ہی قبلہ متعین کیا ہے۔ چنانچہ بخارا، سمرقند، نسف، ترمذ، بلخ، مرو اور سرخس کا ایک ہی قبلہ متعین کیا ہے۔ (۱۱)

اس مسئلے کو ہم ذیل کے خاکوں / نقشوں کی مدد سے واضح کرتے ہیں۔

چہرے کے رو برو ہونے سے مراد یہ ہے کہ نمازی کی پیشانی سے لمبائی کے رخ ایک خط فرض کیا جائے جو چوڑائی میں کعبہ کے پاس سے گزرنے والے خط سے جا کر متصل ہوجائے۔ پھر ہم کعبہ کے دائیں اور بائیں دو زاویہ قائمہ فرض کریں۔

یا پھر ایک ایسا خط فرض کریں جو چوڑائی کے رخ پر کعبہ کے دائیں یا بائیں سے زاویہ قائمہ کی صورت میں گزرتا ہو۔ یا پھر کعبہ کی جانب سے ایک ایسا خط فرض کریں جو نمازی کے قریب سے گزرنے والے خط سے آکر متصل ہوجائے اور یہ دونوں خط زاویہ قائمہ کی صورت میں ہوں۔

یا پھر مثلث کے دو زاویوں کی طرح دو خط نکلیں۔ جو نمازی کی آنکھوں کے سامنے جاکر باہم متصل ہوجائیں۔ اور کعبہ ان دونوں کے درمیان واقع ہو۔

ان تینوں صورتوں کو ہم ترتیب وار تین نقشوں کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔ (۱۲)

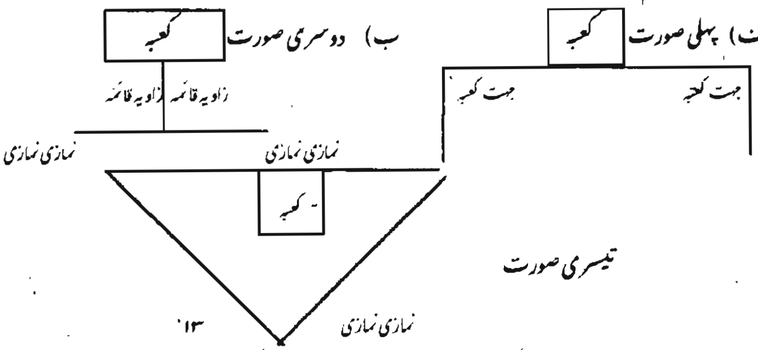

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کے بقول ان میں سے اول الذکر صورت دونوں صورتوں سے بہتر ہے۔ اس کی طرف حاشیۃ الکشاف، الدرر والغرر، حاشیہ البیضاوی شیخ زادہ، اور الطحاوی کی شرح الدر المختار، اور شرح مراقی الفلاح میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جبکہ دوسری صورت (ب) الدرایۃ کی عبارت سے اور تیسری امام غزالی کی احیاء العلوم اور حاشیۃ الکشاف سے مترشح ہوتی ہے۔ (۱۳)

دوسری تعریف: امام الغزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں عین کعبہ اور جہت کعبہ کے بالمقابل ہونے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نفس کعبہ کے سامنے ہونے سے مراد یہ ہے کہ نمازی ایسی جگہ جا کر کھڑا ہو کہ اگر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے ایک خط دیوار کعبہ تک فرض کیا جائے تو وہ سیدھا جا کر کعبہ کی دیوار سے متصل ہوجائے اور اس خط کے دونوں طرف زاویہ ہائے قائمہ قائم ہوں۔ یہ خط کی شکل ہے۔ اور جو خط نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ کے باہر سے خارج ہو۔ وہ اس بات

پر قادر ہو کہ وہ دونوں آنکھوں کے سامنے سے خارج ہوتا ہوا محسوس ہو تو یہ آنکھ کے مقابل ہونے کی صورت ہے۔

اس کو ہم ذیلی نقشے کی مدد سے ظاہر کرتے ہیں۔

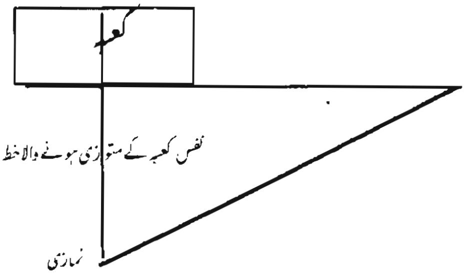

یہ تو نفس کعبہ کے روبرو ہونے کی صورت ہے۔ جبکہ جہت کعبہ کے بالمقابل ہونے کی صورت یہ ہے کہ دونوں آنکھوں کے درمیان سے نکلنے والے خط کا ایک کنارہ کعبہ سے متصل ہو۔ لیکن یہ ضروری نہ ہو کہ خط کی جہت سے اس کے دونوں زاویئے یکساں ہوں۔ بلکہ یہ دونوں زاویئے غیر یکساں ہوں الا یہ کہ جب ایک معین نقطے پر جا کر منتہی ہو جائے لیکن اگر اس خط کو بالکل سیدھ میں اس کے دائیں اور بائیں تمام نقطوں کی سیدھ میں کھینچا جائے تو ان میں سے ایک زاویہ دوسرے کی نسبت سے تنگ نظر آئے۔ اس طرح وہ نفس کعبہ کے بالمقابل ہونے سے تو خارج ہو لیکن جہت کعبہ سے خارج نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر اس خط کے دور سے کنارے پر کعبہ کو فرض کیا جائے تو نمازی جہت کعبہ کے متوازی ہو گا نہ کہ نفس کعبہ کے اور اس جہت کو جو دو خطوں کے مابین واقع ہے۔ جنہیں کھڑا ہونے والا شخص ان دونوں جہات کی طرف منہ کرنے والا خیال کرتا ہے۔ جو دونوں آنکھوں سے نکل رہی ہیں۔ یوں ان دونوں خطوں کے سرے دونوں آنکھوں کے درمیان وسط سر میں زاویہ قائمہ پر آ کر مل جائیں۔ چنانچہ جو حصہ ان دونوں خطوط کے درمیان واقع ہو گا جو دونوں آنکھوں سے خارج ہوتے ہیں تو وہ حصہ جہت کعبہ میں داخل ہو گا اور دونوں خطوط کا درمیانی فاصلہ خط کی لمبائی سے زائد ہوتا ہے۔ اور کعبہ کی دوری سے اس کی شکل یہ ہے۔ (۱۴)

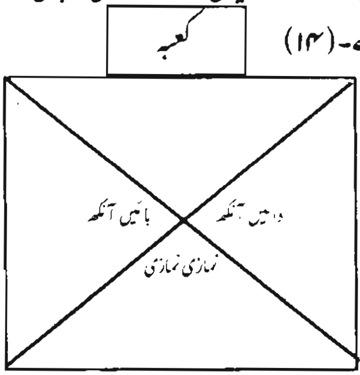

شیخ تقی الدین المقریزی کی تعریف

مشہور عالم دین اور نامور مؤرخ علامہ تقی الدین المقریزی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ "عین کعبہ اور جہت کعبہ کی طرف منہ کرنے میں فرق یہ ہے کہ اگر مکلف کھڑا ہو اور ہم یہ فرض کریں کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے ایک خط مستقیم نکلا ہے۔ اور وہ بغیر ادھر ادھر مڑنے کے سیدھا خانہ کعبہ کی دیوار تک جا پہنچے تو اس کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ دائیں بائیں اپنی نگاہ جانے تک دیکھے اور اس کی نگاہ اس کے سوا کسی اور تک نہ پہنچے گی۔ بشرطیکہ وہ اس کے بالمقابل ہونے سے ادھر منحرف نہ ہو۔

پھر اگر ہم کھڑے ہونے والے شخص کی دونوں آنکھوں سے دو خطوط کا نکلنا فرض کریں۔ اس طرح کہ یہ دونوں خطوط سر کے درمیان میں زاویہ مثلثہ پر جا کر مل جائیں اور دونوں طرف سے جہاں تک نگاہ جاتی ہے۔ وہاں جا کر باہم متصل ہو جائیں تو اس سے ایک مثلث شکل بن جائے گی۔ اس طرح کہ دونوں آنکھوں سے جو خط کعبہ سے جا کر متصل ہوتا ہے ملسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تا آنکہ یہ شکل دو مثلثوں میں ایک جیسی ہو جائے۔ لہذا جو خط کعبہ کی طرف کرنے والے شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے نکل رہا ہو۔ جس نے دونوں زاویوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ یہ خط دونوں آنکھوں کے بالمقابل ہے۔ اور جہاں تک کھڑے ہونے والے شخص کی نگاہ جاتی ہے۔ وہ جہت کے بالمقابل ہونے کی ہے۔ اور جو دو خطوط نمازی کی دونوں آنکھوں سے کنارہ کی طرف سے خارج ہوتے ہیں۔ وہ دائیں بائیں سے جہت کی آخری حد میں جب نمازی اس خط پر نماز ادا کرے تو دونوں زاویوں کو الگ الگ کرتا ہے تو اس نے گویا عین کعبہ کی طرف منہ کیا ہے۔ اور اگر اس کی نماز اس خط سے دائیں بائیں والے خطوط کی جہت میں ادا کی گئی ہو بشرطیکہ اس کا رخ اس خط سے خارج نہ ہو۔ جو دونوں طرف نگاہ کے پہنچنے کے ساتھ محدود کیے گئے ہیں تو اس صورت میں وہ جہت کعبہ کی طرف منہ کرنے والا شمار ہوگا۔ اور اگر اس کا چہرہ ان دونوں زاویوں کی حدود سے نکل گیا تو اس کا چہرہ جہت کعبہ سے منحرف ہونے والا شمار ہوگا۔ (۱۵)

استقبال قبلہ اور اس کے احکام

بہر حال چونکہ یہ مسئلہ بڑا بنیادی اور اساسی نوعیت کا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کے احکام صاف صریح الفاظ میں عطا فرمائے۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے قرآن مجید نے پہلے بطور تمہید اور مقدمہ کے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر۔ اس کے بنانیوالے عظیم القدر پیغمبروں کے مرتبہ و مقام اور اس کے اغراض ومقاصد کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا اور بعد ازاں تحویل قبلہ کے ضمن میں اٹھنے والے اعتراضات کا جواب دیا۔ اور پھر پیغمبر کی اس خواہش کا ذکر ضروری سمجھا۔ جو آپ کے دل میں تحویل قبلہ کے ضمن میں موجود تھی۔ اور پھر مسلمانوں کو تحویل قبلہ کا حکم بتکرار عطا فرمایا۔ یہ حکم حسب ذیل الفاظ میں دیا گیا ہے۔

فَوَلِّ وَجهَکَ شَطرَالمَسجِدِالحَرَامِ بس تو اپنا رخ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو!
وَحَیثُ مَاکُنتُم فَوَلُّوا وُجُوهَکُم شَطرَه اور تم لوگ جہاں بھی ہو اپنا چہرہ اسی مسجد کیطرف پھیرلو۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا:

وَمِن حَیثُ خَرَجتَ فَوَلِّ وَجهَکَ شَطرَالمَسجِدِ الحَرَامِ (۱۷) اور تو جہاں سے نکلے تو (نمازمیں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کر۔

وَمِن حَیثُ خَرَجتَ فَوَلِّ وَجهَکَ شَطرَالمَسجِدِ الحَرَامِ وَحَیثُ مَاکُنتُم فَوَلُّوا وُجُوهَکُم شَطرَه (۱۸) اور تو جہاں سے نکلے تو (نمازمیں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کر۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں بھیہو اپنا رخ اسی کی طرف پھیرلو۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو استقبال قبلہ کا حکم بصیغہ واحد تین مرتبہ اور بصیغہ جمع دو مرتبہ اور مجموعی طور پر پانچ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔

تکرار و اعادہ کی حکمت: یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب ہے۔ وہ یہ کہ اس میں احکام والی آیات کو بہت کم دہرایا گیا ہے۔ ماسوا ان صورتوں کے جہاں اس کی تاکید و توثیق مطلوب ہو۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔

استقبال قبلہ چونکہ نماز کے بنیادی شرائط میں سے ہے۔ اور اس پر نماز کی عمارت

استوار اور تشکیل پذیر ہوتی ہے۔ اور پھر مسلمان ایک عرصے سے دوسرے قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں سابقہ نمازوں یا آئندہ نمازوں کی قبولیت کے متعلق شک وشبہ پیدا ہو گیا۔ جس کا قرآن مجید کو یہ کہ کر ازالہ کرنا پڑا کہ:

وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُم (۱۹) اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان یعنی تمہاری نمازوں کو ضائع نہ کرے گا اس لئے اس مسئلے کی خصوصیت واہمیت کی بنا پر تحویل قبلہ کا حکم پانچ مرتبہ اعادے اور تکرار کے ساتھ دیا گیا تاکہ موجودہ مسلمانوں اور آئندہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کے متعلق کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

شطر: معنی ومفہوم: استقبال قبلہ کے ضمن میں سب سے پہلے یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا پانچوں آیات میں استقبال قبلہ کا حکم "شطرہ" کے لفظ سے دیا گیا اور صرف ایک مرتبہ "نحوہ" کا ذکر آیا ہے۔ تو چونکہ انہی الفاظ پر ہماری آئندہ کی بحث اور گفتگو کا مدار ہے۔ اس لئے ان الفاظ کے معنی ومفہوم کو سمجھ لینا ضروری ہوگا۔

"شطر" کا استعمال عربی زبان وادب میں حسب ذیل معانی میں ہوتا ہے۔

(۱) نصف حصہ (A half)۔ ج: اشطر اور شطور۔

اس سے باب مفاعلہ شاطر مشاطرۃً (دو حصوں میں تقسیم کرنا) ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت مالک بن انس سے پوچھا گیا۔

مناین شاطرعمربنالخطابعماله فقال اموالکثیره ظهرت لهم (۲۰)

حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عاملوں /حاکموں کو کہاں سے مال لاکر تقسیم کیا۔ انہوں نے کہا: ان کیلئے بہت سے اموال ظاہر ہو گئے تھے۔

یہی مفہوم اس حدیث نبوی ﷺ میں مراد لیا گیا ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔

الطهور شطر الایمان---(۲۱) طہارت نصف ایمان ہے۔

(۲) کسی شئی کا حصہ یا جزو (Part,Partition,Division)

(۳) تلقاء (طرف Direction).

قصدت شطرہ میں نے اس کی طرف قصد کیا۔

مشہور ماہر لغت امام ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ
دو ائمہ لغت کے مابین اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ شطر کے معنی جہت اور سمت ہیں(۲۲)۔لہذا اس آیت کی رو سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مصلی کا کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ خواہ نمازی بیت اللہ شریف کے قریب ہو یا اس سے فاصلے پر۔

آیت مبارکہ " وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ "کا معنی و مفہوم۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔کہ اگر استقبال کعبہ ہر صورت میں فرض ہے تو ایسی صورت میں حسب ذیل آیت مبارکہ کا مفہوم کیا ہوگا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲۳)

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے۔ بس تم جدہر بھی رخ کروگے۔ ادھر ہی خدا کی ذات ہے۔ بیشک اللہ تعالی وسعت والا علم والا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کو حسب ذیل صورتوں پر محمول کیا ہے۔

(الف)۔ بھول کر/نادانستہ طور پر غلط سمت میں پڑھی ہوئی نماز کا حکم۔

اس آیت کی تفسیر میں علمائے تفسیر نے جو روایات نقل کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آیت بھول کر یا نادانستہ طور پر غلط سمت میں پڑھی ہوئی نماز کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ حضرت عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔

ہم لوگ ایک مرتبہ ایک تاریک رات میں سفر کر رہے تھے ہمیں سمت قبلہ کا علم نہ تھا۔لہذا ہم نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت(فاینما تولوا) نازل ہوئی(۲۴)

گو امام ابو عیسٰی ترمذی نے اس حدیث کی سند کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور اس کی سند پر تنقید کی ہے۔ لیکن جمہور فقہاء نے اس حدیث اور مذکورہ آیت مبارکہ کی روشنی میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے بارش یا تاریکی کی بنا پر غیر قبلہ کی طرف منہ کر

کے نماز ادا کرلی اور بعد ازاں اسے اپنی غلطی کا علم ہوگیا تو اس کی نماز درست ہوگی اور اس پر اعادہ ضروری نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ حضرت سفیان ثوری، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ کا مسلک ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ چونکہ استقبال پر زور دیتے ہیں۔ لہذا ان کے اور مغیرہ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا(۲۵)

(ب)دوسرا قول یہ ہے کہ اس جگہ "نفل نماز" مراد ہے۔ اور اس آیت کی رو سے نفل نماز خواہ سواری کا رخ کسی بھی طرف ہو قبلے کی پابندی کے بغیر ادا کی جاسکتی ہے۔جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی وھومقبل من مکة الی المدینة علی راحلتہ حیث کان وجھہ قال وفیہ نزلت "فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ"...(۲۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے رستے میں اپنی سواری پر نوافل ادا فرماتے رہتے تھے۔ خواہ سواری کا رخ کسی بھی طرف ہو اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ تم جس طرف بھی منہ کروگے ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے خیبر کی طرف سفر کیا تو اس وقت بھی آپ نے دوران سفر نوافل اپنی سواری پر ادا فرمائے۔(۲۷)

البتہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آیا یہ اجازت دوران سفر ہے یا غیر سفر میں بھی چونکہ اس نوع کی تمام روایتوں میں آنحضرت ﷺ کا یہ معمول دوران سفر کا بیان ہوا ہے لہذا امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اجازت صرف اس سفر تک محدود ہے۔ جو قصر کی اجازت کا باعث ہو۔ اور چھوٹے سفر میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ امام شافعی، حسن بن حی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سفر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہر صورت میں اس کی اجازت ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ نمازی شہر سے باہر ہو۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ وہ شہر کے اندر نماز ادا کررہا ہو یا شہر

سے باہر اس کیلئے نفل نماز، قبلے کی پابندی کے بغیر درست ہے۔

امام ابوجعفر الطبری نے اس میں مزید وسعت پیدا کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ نفل نماز ہر شخص کیلئے خواہ وہ مسافر ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ شہر میں ہو یا شہر سے باہر اور خواہ وہ سواری پر سوار ہو یا اپنے پاؤں پر چل رہا ہو قبلے کی پابندی کے بغیر درست ہے۔(۲۸)

(ج) اس سلسلے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ **ماولهم عن قبلتهم التی کانوا علیها**(۲۹)(انہیں اس قبلے سے جس پر وہ تھے۔ کس چیز نے روک دیا ہے)وہ اس طرح کہ انہیں قبلے کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ "نفس جہت میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ تخصیص تو اللہ تعالی کے اس حکم میں ہے۔ جو اللہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے(۳۰)

ہمارے خیال میں آیت سے بیک وقت تینوں معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ اندھیرے / بھول میں پڑھی ہوئی نماز درست ہوتی ہے۔

۲۔ نفل نماز میں دوران سفر قبلہ کی پابندی نہیں ہے۔

۳۔ حقیقتِ قبلہ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل میں ہے۔ نہ کہ نفسِ جہت میں۔(واللہ اعلم)

احادیث نبویہ اور استقبال قبلہ

قرآن مجید کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی قدرت واستطاعت کے وقت کعبہ یا اس کی جہت کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے۔

لایقبل اللّٰہ صلاۃ امرئٍ حتی یضع الطهور مواضعه ویستقبل القبلة ویقول اللّٰہ اکبر(۳۱)

اللہ تعالی کسی شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وہ طہارت اپنی جگہ نہ رکھے(ٹھیک ٹھیک طہارت نہ کرے)قبلہ کی طرف منہ کرے اور اللہ اکبر کہے۔

اسی طرح صحیحین(بخاری و مسلم)میں ہے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللّٰہؐ اذا قمت الی الصلواة فاسبغ

الوضوء ثم استقبل القبلہ (۳۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو نماز کیلئے اٹھے تو عمدہ طریقہ سے وضو کر اور پھر قبلہ کی طرف منہ کر۔

اسی طرح صحیح مسلم میں روایت ہے۔

عن ابن عمرؓ قال بینما الناس فی صلاۃ الصبح بقباء اذجاءھم ات فقال ان رسول اللہؐ قدانزل علیہ اللیلۃ وقدامران یستقبل الکعبۃ فاستقبلوھا و کانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ . . (۳۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اس اثنا میں کہ لوگ قباء میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اس نے آتے ہی کہا کہ رات نبی اکرم ﷺ پر حکم نازل ہوا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیں۔ پس تم لوگ بھی اسی طرف منہ کرلو۔ اس وقت ان کارخ شام کی طرف تھا۔ توانہوں نے فوراً اپنا چہرہ اس کی طرف پھیر لیا۔

اس طرح ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

من صلی صلواتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللّٰہ وذمۃ رسولہؐ فلاتخفر اللّٰہ فی ذمتہ. (۳۴)

جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا۔ اور ہمارا ذبیحہ کھایا تووہ مسلمان ہے۔ اس کیلئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ پس تم اللہ کے ذمہ کو پامال نہ کرو۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے اپنے عمل مبارک کا تعلق ہے تو آپ کا عمل مبارک یوں بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی حمید الساعدی قال وکان رسول اللّٰہؐ اذا قام الی الصلواۃ استقبل القبلۃ ورفع یدیہ وقال اللّٰہ اکبر. (۳۵)

حضرت ابو حمید الساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے اٹھتے تھے تو قبلے کی طرف منہ کرتے۔ رفع یدین کرتے اور فرماتے اللہ اکبر۔

الغرض استقبال قبلہ کی فرضیت اور اس کی قطعیت پر آنحضرت ﷺ کی قولی اور عملی

احادیث دو ٹوک الفاظ میں دلالت کرتی ہیں، ان کی اپنے مضمون پر دلالت اتنی قطعی اور اتنی یقینی ہے کہ علمائے کرام نے ان کی دلالت کی سنت متواترہ سے ثبوت کی بنا پر "قطعی قرار دیا ہے۔ امام قاضی الشوکانی اپنی مشہور کتاب نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔

ودلت علیه السنة المتواترة(۳۶) اس پر سنت متواترہ دلالت کرتی ہے۔

اور اس پر امت کا اجماع بھی منعقد ہوچکا ہے۔(۳۷)

اس طرح نماز میں قبلہ رو ہونے کی شرط اور ضروری ہونے پر تین طرح کے قطعی دلائل ہیں۔

اولاً: قرآن مجید کی آیات مبارکہ

ثانیاً: احادیث متواترہ

ثالثاً: اجماع امت۔

اس لئے یہ مسئلہ ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالا تر ہے۔ اور اس کے قطعی اور ضروری ہونے میں کلام نہیں ہے۔

البتہ کعبہ سے قریب یا اس سے دور ہونے کی حالتوں میں اس کی حیثیت مختلف ہوجاتی ہے۔ جیساکہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

عین کعبہ یا جہت کعبہ /فقہ قرآن وسنت: اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام نصوص میں جن کا سطور بالا میں ذکر آیا کیا علی الاطلاق "بیت اللہ "شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے؟ان میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس سے عین کعبہ /مسجد حرام کی طرف منہ کرنا مراد ہے۔ یا اس کی جہت۔ اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو تو اس کیلئے "عین کعبہ" کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ علامہ ابن ارشد المکی فرماتے ہیں۔

اما اذا البعد البیت فالغرض عندهم هوالتوجه الی عین البیت ولاخلاف فی ذلک(۳۸)

اگر وہ بیت اللہ شریف کو دیکھ رہا ہو تو فقہا کے نزدیک اس کیلئے نفس کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مشہور حنفی فقیہ ابو بکر علی المرغینانی لکھتے ہیں۔

"نمازی قبلے کی طرف منہ کرے۔ اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **فَوَلِّ وَجهَكَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَام** (پس تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے) پھر اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں ہو تو اس کیلئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔(۳۹)

البتہ اگر نمازی بیت اللہ شریف سے دور ہو جہاں سے بیت اللہ شریف اسے نظر نہ آتا ہو تو اس کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ آیا عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ یا جہت کعبہ کی طرف۔ اس میں فقہاء کے مسالک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

احناف کا مسلک: اس صورت میں احناف کے نزدیک عین کعبہ کے بجائے جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ ابو بکر المرغینانی فرماتے ہیں۔

"جو شخص کعبہ سے اوجھل ہو۔ تو اس کیلئے اس کی جہت کی طرف منہ کرنا دوران نماز لازمی ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس لئے کہ (اسلام میں) تکلیف حسب استطاعت ہے(۴۰)

نامور مفسر قرآن علامہ الزمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای جعل تولیة الوجه تلقاء المسجد ای فی جهته وسمته لان استقبال عین القبلة فیه حرج عظیم علی البعید وذکر المسجد الحرام دون الکعبة دلیل علی ان الواجب مراعاة الجهة دون العین (۴۱)

یعنی اے پیغمبر ﷺ تو اپنا چہرہ مسجد کی طرف موڑ لے۔ یعنی اس کی جہت اور سمت کی طرف اس لئے کہ دور والے شخص کیلئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنے میں بہت زیادہ حرج ہے اور یہاں کعبہ کے بجائے مسجد حرام کا ذکر ہونا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ فرض جہت کعبہ ہے۔ عین کعبہ نہیں۔

اسی طرح نامور حنفی فقیہ علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وانما ذکر الحرم اوالمسجد دون الکعبة مع انها هی القبلة اشارة الی ان الواجب علی النائی استقبال جهة الکعبة دون عینه(۴۲)

یہاں اللہ تعالیٰ نے علاقہ حرم یا مسجد کا ذکر کیا ہے نہ کہ کعبہ کا۔ حالانکہ قبلہ کعبہ ہی ہے۔ جو اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ دور والے شخص پر جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے نہ کہ نفس کعبہ کی طرف۔

احناف میں سے ابو عبداللہ عبد الکریم الجرجانی الحنفی نے جو القدوری رحمہ اللہ کے استاذ تھے۔ اس مسلک سے اختلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ "عین کعبہ" کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔(۴۳)

ان دونوں اقوال میں فرق نیت کے وجوب وعدم وجوب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ شیخ ابو عبداللہ کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونے کی نیت کرنا ضروری ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونے کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔

کعبہ کی طرف منہ کرنے کی نیت کا حکم: جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے کہ احناف کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونے کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں تو اس کے متعلق جیسا کہ اوپر گزرا قول فیصل یہی ہے کہ ایسا کرنا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ نامور حنفی فقیہ امام السرخسی فرماتے ہیں

والصحیح ان الاستقبال الی جهه الکعبه یغنی عن نیتها (۴۴)

صحیح قول یہ ہے کہ کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا کعبہ کی نیت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ:

"اگر وہ مسجد/محراب میں نماز ادا کر رہا ہو تو کعبہ کی طرف منہ ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے البتہ اگر وہ کسی صحراء میں نماز ادا کر رہا ہو تو ایسی صورت میں ضروری ہے۔ پھر خواہ وہ قبلہ کی نیت کرے۔ یا کعبہ کی۔ یا جہت کعبہ کی۔ تینوں صورتیں جائز ہیں(۴۵) البتہ بدائع الصنائع میں اس سے صاف لفظوں میں منع کیا گیا ہے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں۔

الافضل ان لاینوی الکعبهلاحتمال ان لاتحاذی ہذه الجهت الکعبه فلا تجوزصلاته (۴۶)

افضل یہ ہے کہ وہ کعبہ کی نیت نہ کرے۔ اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ جہت کعبہ کے متوازی نہ ہو تو اس صورت میں اس کی نماز درست نہ ہوگی۔

لہذا اس قول کی رو سے "قبلہ رو" ہونے کی نیت نہ کرنا بہتر ہے۔

مالکیہ کا مذہب: امام مالک رحمہ اللہ کے متبعین میں اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے جمہور کا قول وہی ہے جو احناف کے حوالے سے اوپر گزرا۔ چنانچہ نامور مالکی فقیہ اور عالم ابن حضنیر المالکی اپنی کتاب "الانتصاف" میں فرماتے ہیں۔

والتحقیق عندالفتوی ان المعتبر مع البعدالجهه لاالسمت(۴۷)

فتوی کے وقت تحقیقی قول یہی ہے کہ دور ہونے کی صورت میں اعتبار جہت کا ہے کعبہ کی سمت کا نہیں ہے۔

حنبلی مسلک: امام احمد بن حنبل اور ان کے مقلدین کے ہاں بھی یہی قول مختار ہے۔ چنانچہ معجم الفقہ الحنبلی میں ہے۔

"اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں نہ ہو اور نہ کسی مسلمانوں کے شہر میں ہو مگر وہ قبلے کی علامات سے واقف ہو تو اس کیلئے جہت قبلہ کے دریافت کرنے میں اجتہاد و تحری ضروری ہے۔ اس طرح ان تمام لوگوں پر جو مکہ مکرمہ سے دور ہوں " جہت کعبہ " کو دریافت کرنا ضروری ہے۔ نہ کہ نفس کعبہ کو(۴۸)

اسی طرح کشاف القناع عن متن الاقناع اور شرح منتہی الارادات میں بھی یہی مؤقف و مسلک بیان کیا گیا ہے۔

جمہور صحابہ و تابعین: فقہاء کی اکثریت نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے یہی مسلک اکثر صحابہ کرام مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اکثر تابعین مثلاً امام ابوسفیان الثوری، امام عبد اللہ بن المبارک، اسحاق۔ اور دوسرے بہت سے بزرگوں کا ہے۔ اس لئے یہ مسلک جمہور اہل سنت کا ہے۔ کہ ان کے نزدیک جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا کافی ہے اور نمازی عین کعبہ کی طرف منہ کرنے کا پابند نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

فقہاء میں سے امام شافعی رحمہ اللہ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں کہ نمازی کو ہر صورت

میں خواہ وہ مسجد حرام کے قریب ہو یا اس سے دور ہو۔ نفس کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

فکل من کان یقدرعلی رویة البیت ممن بمکة فی مسجدهااومنزل منها اوسهل اوجبل فلاتجزئه صلاة حتی یصیب استقبال البیت لانه یدرک صواب استقباله بمعاینته...ومن کان فی موضع من مکه لایری منه البیت او خارجاً عن مکة فلا یحل له ان یدع کلما اراد المکتوبة فی طلب صواب الکعبة بالدلائل من النجوم والشمس والقمروالجبال ومهب الریح وکل مافیه دلالة علی القبلة(۴۹)

جو شخص مکہ مکرمہ کی مسجد میں یا اپنے گھر میں یا کسی وادی میں یا پہاڑ میں ایسی جگہ پر ہو۔ تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ یہاں تک وہ ٹھیک ٹھیک طریقے پر کعبہ کی طرف منہ کرے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اس کو دیکھ کر قبلہ رخ ہونے کی درستگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ جو شخص مکہ میں ایسی جگہ پر ہو جہاں سے بیت اللہ شریف اسے نظر نہ آتا ہو یا وہ مکہ مکرمہ سے خارج ہو۔ تو اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب بھی وہ فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو کعبہ کی دلائل سے صحیح سمت دریافت کرنے میں کوتاہی کرے۔ دلائل میں ستارے، سورج، چاند، پہاڑ اور ہواؤں کا چلنا وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ شئی شامل ہے جو قبلہ کی صحیح سمت پر دلالت کرتی ہو۔

اسی مسلک کا امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الرسالہ میں ذکر کیا ہے۔ امام فرماتے ہیں۔

فدلهم اذاغابوا عن عین المسجدالحرام علی صواب الاجتهادفما فرض علیهم منه بالعقول التی رکبت فیهم الممیزه بین الاشیاء واضدادها والعلامات التی نصب لهم دون عین المسجدالحرام الذی امرهم بالتوجه شطره(۵۰)

پس اللہ تعالی نے انہیں بتایا کہ جب وہ مسجد حرام سے دور ہوں تو ان پر اس درست سمت کا اجتہاد فرض ہے۔ ان عقول کے ذریعے جن سے مختلف اشیاء اور ان کی اضداد میں فرق و امتیاز

کیا جاتا ہے اور ان علامتوں کے ذریعے جو اللہ تعالی نے مسجد حرام کی سمت کیلئے مقرر کی ہیں جس کی طرف اللہ تعالی نے منہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک امکان بھر "سمت کعبہ" کو دریافت کرنا ضروری ہے۔ اور اس کیلئے سرسری سا علم کافی نہیں بلکہ بہت گہرے غور و خوض نیز توجہ اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔

امام ابو اسحاق شیرازی نے اپنی کتاب مذہب میں فقہ شافعی کا مؤقف پیش کرتے ہوئے لکھا ہے "قبلہ رو ہونا نماز میں شرط ہے ماسوا دو حالتوں کے۔ یعنی شدید خوف کی حالت میں اور دوران سفر، نفل نماز میں، اس حکم کی اساس اس ارشاد باری تعالی پر ہے۔

فول وجھک شطرالمسجدالحرام. وحیثماکنتم فولوا وجوھکم شطرہ (پس تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں بھی ہو اس کی طرف منہ کرو) پھر اگر وہ بیت اللہ کے پاس موجود ہو تو اس کیلئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔

---اور اگر وہ بیت اللہ شریف کی جہت پر نماز ادا کر رہا ہو تو اگر اس کے سامنے کوئی سترہ ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اگر اس کے سامنے سترہ نہ ہو تو اس کی نماز درست نہ ہو گی۔

بیت اللہ شریف سے دور رہنے والے کیلئے۔

اگر وہ بیت اللہ شریف کے سامنے موجود نہ ہو تو قبلہ کے متعلق غور و فکر کرے۔ اگر اسے قبلہ رخ معلوم ہو جائے تو وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اور اگر اسے اس کے متعلق کسی ایسے شخص نے جس کی خبر قبول کی جاسکتی ہو بتایا تو وہ اس کی خبر پر اعتماد کرے۔ اور اجتہاد نہ کرے۔ اور اگر وہ کسی شہر میں ہو اور وہاں اسے محراب نظر آئیں تو وہ ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے اور اجتہاد نہ کرے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی شئی وہاں موجود نہ ہو تو پھر اگر وہ ایسا شخص ہو جو دلائل کی واقفیت رکھتا ہو تو وہ قبلے کی تلاش میں کوشش اور اجتہاد کرے۔ اس لئے کہ اس کی شناخت کا ایک خاص طریقہ ہے جو سورج، چاند، پہاڑ اور ہواؤں پر مبنی ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے۔ وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ (اور نشانیوں

اورستاروں سے یہ لوگ ہدایت پاتے ہیں) لہذا اس کیلئے ضروری ہے کہ ایسے مواقع میں اجتہاد کرے اس کی فرضیت میں دو اقوال ہیں۔ کتاب الام میں ہے کہ اس کیلئے "عین کعبہ" کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے مکی کیلئے یہی حکم ہے۔ لیکن امام المزنی نے جو نقل کیا ہے اس کے ظاہر کی رو سے اس جہت میں رخ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر عین بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنا ضروری ہو تو لمبی صف کا رخ کبھی سیدھا نہ ہوگا اور اگر وہ ایسا شخص ہو جو سمت قبلہ کی تعیین کے دلائل سے واقف نہ ہو تو دیکھا جائے گا اگر تو وہ ایسی حالت میں ہو کہ اگر وہ وہاں کسی سے پوچھ کر معلوم کر سکتا ہو اور وقت میں بھی اس کی گنجائش ہو تو اس کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ ان دلائل کے بارے میں ضروری واقفیت پیدا کرے۔ اور اگر وہ ایسا شخص ہو جو دلائل نہ جان سکتا ہو تو وہ نابینا کے حکم میں ہے۔ ان دونوں پر تقلید فرض ہے۔

اور اگر وہ ایسا شخص ہے جو دلائل سے سمت قبلہ جان سکتا ہے لیکن اندھیرے یا بادلوں کی بنا پر ایسا کرنا اس کیلئے ممکن نہ ہو تو اس کے متعلق بہتر یہ ہے کہ چونکہ وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ لہذا وہ کسی اور کی تقلید نہ کرے (۵۱)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس جگہ بنیادی طور پر دو ہی مسالک ہیں۔ ایک مسلک جمہور فقہاء کا ہے جن کے نزدیک دور والے شخص کیلئے نفس کعبہ کے بجائے "جہت کعبہ" کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ جبکہ دوسرا مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے جو فرماتے ہیں کہ "جہت کعبہ" کے بجائے حتی الواسع اور حتی المقدور نفس مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونا لازمی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل: اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے ان کا ذکر بھی بیجا نہ ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے حسب ذیل دلائل سے استشہاد کیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں شطر المسجد الحرام کا ذکر ہے اور شطر سے مراد اس کی جانب ہے اور کسی شئی کی جانب (سمت) وہ ہے جو اس کے متوازی اس کی سمت میں ہو۔ اور یہ ارشاد مبارک۔ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ (تم اسی کی طرف منہ پھیر لو) میں کعبہ کے سامنے موجود اور غائب

میں فرق نہیں کیا گیا۔

۲۔ نیز ارشاد نبوی (ھذہ القبلہ) میں نفس کعبہ کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ علاوہ ازیں کعبہ معلی کی تعظیم و تکریم رسول اکرم ﷺ سے تواتر کے درجہ میں ثابت شدہ ہے۔اور نماز کی صحت کا نفس کعبہ کی طرف منہ کرنے پر موقوف ہونے سے کعبہ کے شرف میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ مشروع ہو۔

۴۔ نیز کعبہ کا قبلہ ہونا۔ایک معلوم اور غیر مشکوک معاملہ ہے۔ لہذا معلوم و مقرر بات پر عمل کرنا زیادہ احتیاطی مسلک ہے۔(۵۲)

۵۔ جمہور کے دلائل

جمہور کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(الف) آیت قرآنیہ: فَوَلُّوا وُجُوهَكُم شَطرَهُ کے ظاہر سے استدلال:

اس جگہ لفظ شطر جہت اور تلقاء کے مفہوم میں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس علیہ السلام حضرت قتادہ، حضرت مجاھد۔ ابوالعالیہ اور الربیع نے آیت کی انہی الفاظ سے تشریح کی ہے (۵۳)

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابی ابن کعب کی روایت میں تلقا المسجد الحرام کا ذکر ہے۔(۵۴)

مشہور محدث حاکم نیساپوری رحمہ اللہ نے حضرت علی علیہ السلام سے شطرہ کی تفسیر لفظ قبلہ اس کی طرف) سے کی ہے (۵۵)

اسی طرح نامور محدث ابن ابی حاتم نے حضرت رفیع سے نقل کیا ہے کہ شطرہ سے مراد تلقاء (اس کی طرف) (۵۶) ہے اور یہی تسیر اہم ترین کتب تفسیر مثلاً الکشاف البیضاوی، البحر المحیط، تفسیر المدارک، تفسیر ابی السعود العمادی اور تفسیر النیساپوری میں اختیار کی گئی ہے۔

۳) اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے۔

وَلِكُلٍّ وِجهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (۵۷)

امام ابوبکر الجصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص کعبہ کے سامنے سے غیر حاضر ہو وہ اپنے غالب گمان میں اس کی جہت کی طرف منہ کرنے کا مکلف ہے۔ نہ کہ عین کعبہ کے متوازی ہونے کا۔ اس لئے کہ اس کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے کہ اس سے دور ہونے والا ہر شخص اس کے بالمقابل ہوجائے۔(۵۸)

نامور محدث اور فقیہ علامہ آلوسی اس مسلک کے حق میں دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہاں مسجد حرام کا ذکر ہے جو کعبہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ نہ کہ کعبہ کا حالانکہ اصل قبلہ کعبہ ہی ہے۔ جس پر احادیث صحاح ستہ دلالت کرتی ہیں۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ بندے کیلئے جہت کعبہ کی محاذات میں ہونا کافی ہے۔ گو وہ عین کعبہ کی طرف منہ نہ کرسکے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔امام احمد بن حنبل اور شوافع میں سے اکثر خراسانیوں کا مسلک ہے۔ اور اسی کو امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں راجح قرار دیا ہے۔(۵۹)

احادیث نبویہ سے استدلال:

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔

البیت قبلةلاھل المسجدوالمسجدقبلةلاھل الحرم والحرم قبلة لاھل الارض فی مشارقھاومغاربھامن امتی(٦٠)

مسجد حرام والوں کا قبلہ بیت اللہ شریف اور اہل حرم کا مسجد حرام اور مشرق ومغرب کے لوگوں کیلئے "حرم کا علاقہ قبلہ ہے۔

اس روایت سے دور دراز کے لوگوں کیلئے استقبال قبلہ میں حکم کی وسعت وعمومیت کا علم ہوتا ہے۔اسی طرح کی ایک روایت جسے اصحابؒ سنن نے نقل کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مابین المشرق والمغرب قبلة(٦١) مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اس روایت کی رو سے قبلہ میں بڑی وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایک

پوری سمت کو یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک کے افق کو سمت قبلہ کیلئے متعین کیا گیا ہے۔ لیکن اس روایت کے ایک راوی "ابو معشر" کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ محدثین نے ان کے حافظے کی خرابی کا ذکر کیا ہے۔ ابو معشر کا نام نجیح تھا اور وہ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے راوی محمد فرماتے ہیں کہ مجھے ان سے کوئی روایت معلوم نہیں ہے (۶۲)

تاہم اسی طرح کی ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ ہی سے دوسرے راوی نقل کرتے ہیں جو سند کے اعتبار سے سابقہ روایت کی نسبت سے قوی ہے۔ اور محدثین نے اسے "حسن صحیح" قرار دیا ہے لیکن چونکہ اس خبر "واحد" سے قرآن مجید کی آیت مبارکہ "شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام" کی مخالفت یا مغائرت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے فقہاء نے اس روایت کی تاویل کی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں

"جب تم مغرب کو اپنے دائیں اور مشرق کو اپنے بائیں کر لو گے تو اس کے درمیان تمہارا قبلہ ہوگا (۶۳)

گویا یہ حدیث نبوی قبلہ کی دریافت کے ایک طریقے کے بیان پر مشتمل ہے۔ یعنی یہ کہ اگر مدینہ منورہ میں نماز پڑھنے والا شخص اپنے دائیں مغرب کو اور بائیں مشرق کو رکھے اور جنوب کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو تو اس کا رخ قبلے کی طرف ہو جائے گا۔

بہرحال اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کعبہ سے دور ہو تو اس کیلئے صرف جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے نہ کہ عین کعبہ کی طرف۔

جامع ترمذی کی شرح ابی الطیب میں ہے:

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جہت والے قول کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں۔ ہمارے لوگوں میں سے بہت سے لوگوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی قول کو الاوزاعی نے مختار ٹھہرایا ہے۔ ابن عربی نے اس میں مزید مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے اس کے خلاف قول اختیار کرنا باطل ہے۔

تعامل صحابہ: صحابہ کرام کو جب مسجد قبا میں نماز فجر میں تبدیلی قبلہ کا علم ہوا تو وہ حضرات دوران نماز کعبہ کی جانب بغیر کسی اجتہاد و محنت کے متوجہ ہو گئے۔ اور یہ بات

معلوم و مسلم ہے کہ مدینہ سے "عین کعبہ" کی طرف متوجہ ہونے میں بڑی گہری نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے رات کی تاریکی میں اس کا رخ ٹھیک ٹھیک معلوم کرلیا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ کے مسئلے میں قطعی علم سے قبل اپنے ابتدائی اجتہاد پر عمل کرنا درست ہے خواہ اس کا رخ کعبہ سے ادھر ادھر ہوجائے۔ (۴۶)

توارث: پھر لوگ صحابہ کرام علیہم السلام کے زمانے سے ہمارے اس زمانے تک مختلف ملکوں اور شہروں میں مساجد بناتے آئے ہیں۔ اور انہوں نے مسجدوں کی تعمیر کے وقت کسی انجینئر اور نجومی وغیرہ کو نہیں بلایا (۵۶)

قیاس: پھر قیاس سے بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری خواہ علمی طور پر یا ظنی طور پر تو یہ ضروری امر ہے کہ کسی شخص کی نماز درست نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کعبہ کی محاذات تو صرف ۲۴ ذراع (ہاتھ) تک ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ اہل مشرق و مغرب اتنی مقدار میں جگہ کی محاذات اختیار نہیں کرسکتے، ماسوا کسی شاذونادر واقعہ کے۔ اور احکام میں اعتبار غالب احکام کا ہوتا ہے نہ کہ شاذونادر صورت کا۔ علاوہ ازیں ان میں سے جو شاذونادر صورت میں محاذات پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں اسے بھی محاذات کا علم نہیں ہوگا۔ جبکہ تمام امت ایسے لوگوں کی نماز کی صحت پر متفق ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ علمی اور ظنی طور پر محاذات کا ہونا غیر معتبر ہے۔ (۶۶)

امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء میں اس مسئلے پر قیاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔" اور عین کعبہ کی طرف منہ کرنا "علوم ھندسہ کے بغیر ممکن نہیں۔ جس پر غور وفکر کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا بلکہ بعض اوقات اس میں گہرائی میں جانے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت کا حکم اسی پر مبنی ہو۔ لہذا بالضرورت جہت کعبہ پر اکتفاء واجب ٹھہرا۔ اور شریعت قطعی طور پر اس پر مبنی نہیں ہے۔ لہذا دلائل قبلہ میں جن جن دلائل کا جاننا ضروری ہے وہ مقامات طلوع و غروب کا علم ہے۔ اور اس سے واجب ساقط ہوجاتا ہے (۶۷)

علامہ ابن اشد اور بعض دیگر فقہاء نے اس کے جواز پر طویل صف سے بھی استدلال

کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

"مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبہ سے باہر لمبی صف درست ہوتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں اصل مقصود "عین کعبہ" نہیں ہے یعنی اس وقت جب لوگوں کو کعبہ نظر نہ آتا ہو اور میں کہتا ہوں: اگر "عین کعبہ" کی طرف رخ کرنا فرض ہوتا تو اس میں لوگوں کو شدید حرج ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

وَمَاجَعَلَ عَلَيكُم فِي الدِينِ مِن حَرَجٍ (۶۸) (اللہ نے تمہارے دین میں تمہارے لئے حرج نہیں رکھا)

اس لئے کہ عین کعبہ کا ادراک کرنا۔ تقریب و تسامح کے بغیر، ماسوائے ھندسیاتی طریقے پر۔ جو طول بلد اور عرض بلد سے مستنبط ہوتا ہے۔ ممکن نہیں ہے (۶۹)

اسی طرح نامور مالکی فقیہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ جو شخص کعبہ سے دور ہو آیا اس کیلئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے؟ یا نہیں۔ پہلا قول ضعیف ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کو ایسے حکم کا مکلف ٹھہراتا ہے جس تک وہ نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ جو لوگ جھت کے قائل ہیں ان کا قول تین وجوہ سے درست ہے۔

اولاً یہ کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اور اسی کے ساتھ تکلیف مربوط ہوتی ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ قرآن مجید میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ لھذا اس کے علاوہ کسی اور قول کی طرف توجہ نہ کی جائے

ثالثاً اس لئے کہ فقہاء نے اس کے جواز کیلئے ایک لمبی صف سے استدلال کیا ہے۔ جس کے متعلق قطعی طور پر معلوم ہو کہ یہ صف بیت اللہ شریف سے کئی گنا لمبی ہو (۷۰)

یہی مصنف اپنی کتاب "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی میں فرماتے ہیں:

وقال بعض علمائنا يلزمه (يعني لمن غاب عنها) طلب العين وهذا باطل قطعاً فانه لاسبيل اليه لاحد وما لا يمكن الا يقع به التكليف والممكن طلب الجهة فكل احد،

قصدقصدھاوینحونحوھابحسب مایغلب ظنه ان کان من اھلالاجتھادوان لم یکن من اھل الاجتھادقلداھل الاجتھاد (۷۱)

ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کو یعنی جو کعبہ سے دور ہو۔ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔اور یہ قول قطعی طور پر باطل ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کیلئے اس کا کوئی راستہ نہیں اور جو بات ممکن نہ ہو اس کے ساتھ کسی کا مکلف ہونا نہیں ہوتا۔ البتہ جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا ممکن ہے۔ لہذا اگر وہ اہل اجتہاد میں سے ہو تو اس کی طرف قصد کرے۔ اور اس کی جانب اپنا منہ کرے۔ اپنے غالب گمان کی رو سے۔ اور اگر وہ اہل اجتہاد میں سے نہ ہو تو وہ اہل اجتہاد کی تقلید کرے۔

شیخ منصور الحنبلی اپنی کتاب کشف القناع میں فرماتے ہیں۔

"نیز اس لئے کہ ان دو افراد کی نماز کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے۔ جو ایک دوسرے سے دور ہوں اور قبلہ رو ہو کر نماز ادا کر رہے ہوں۔ اسی طرح طویل صف کی جو سیدھے خط پر قائم ہو۔ نماز کی درستگی پر تمام فقہاء کا اجماع ہے (۷۲)

محاکمہ

امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور فقہاء کے دلائل کے تفصیلی مطالعہ کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان دونوں مسالک میں جو اختلاف ہے وہ محض تعبیر و تشریح کا اختلاف ہے۔ ورنہ دونوں مسالک کے مابین حقیقت میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔

اولاً: تو اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول اور شافعی علماء کی ایک جماعت جمہور کی رائے کے حق میں ہے۔ جیسا کہ اسماعیل المزنی۔ امام الغزالی اور بو اسحاق الشیرازی وغیرہ کا مسلک ہے۔ اس قول کو اختیار کرنے سے دونوں مسالک میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

ثانیاً اس لئے کہ اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے دوسرے قول کو پیش نظر رکھا جائے تو تب بھی یہ کہنا غلط ہو گا کہ امام شافعی کعبہ سے دور ہونے کی صورت میں حقیقتاً عین کعبہ کی طرف منہ

کرنے کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ یہ امر محال ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ جیسا شخص ایک "محال امر" کے وجوب کا کس طرح قائل ہوسکتا ہے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نمازی کو زیادہ سے زیادہ کعبہ معلی کے قریب تر لانا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس "خانہ خدا" کی جہت کو اپنانے اور اس کی طرف منہ کرنے میں اپنی تمام بہترین صلاحیتوں اور اپنی پوری استعداد اور اپنی پوری محنت وہمت کو صرف کردے۔ جبکہ دوسرے حضرات اس میں "یسر" (آسانی) کے قائل ہیں۔ اور اس میں وہ نمازی کے سرسری علم اور اس کی عمومی واقفیت پر اعتماد کا مؤقف رکھتے ہیں۔ ورنہ دونوں کا مطمح نظر ایک ہی ہے۔

محقق نبیل علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنی کتاب "بغیۃ الاعازیب" میں لکھتے ہیں۔

"جب ہم امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام اور کتاب الرسالہ" میں اس عنوان پر پوری بحث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام اور کتاب الرسالہ کے مباحث میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ دور والے شخص پر کعبہ کی حقیقی سمت اور اس کی حقیقی محاذات کے وجوب کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے الرسالہ میں ان کی بحث کتاب الام کی بحث کی تشریح ہے اور الرسالہ سے اس وہم کی تردید ہوتی ہے جو ان کی کتاب الام کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۷۳)

چنانچہ جب ہم الرسالہ کی عبارت کا کتاب الام کی عبارت سے موازنہ کرتے ہیں تو ہم اسی نتیجے کے قائل ہوجاتے ہیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الرسالہ میں فرماتے ہیں۔

فالعلم یحیط ان من توجه تلقاء المسجد الحرام ممن نأت داره عنه علی صواب بالاجتهاد للتوجه الی البیت بالدلائل علیه لان الذی مکلف به العبادالتوجه الیه وهولایدری أأصاب یتوجه قصدالمسجد الحرام اواخطاوقدیرای یعرفها . فیتوجه بقدرمایعرف ویعرف غیره دلائل غیرهافیتوجه بقدرمایعرف وان اختلف توجهما (۷۴)

پس علم اس بات کا احاطہ کئے ہوئے ہے کہ اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف سے در ہو اور وہ اپنے اجتہاد کے مطابق اس کی طرف اس کے دلائل کی بنا پر منہ کرے (تو درست ہوگا) اس لئے کہ بندہ محض اس کی طرف متوجہ ہونے کا مکلف ہے۔ اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا واقعی اس کا رخ ٹھیک مسجد حرام کی طرف ہے یا نہیں۔ وہ اس کے دلائل کا علم رکھتا ہو۔ اور دوسرا شخص اگر اس کے دلائل اس سے مختلف ہوں تو وہ اس سے مختلف جانب منہ کرے۔ تو دونوں کی نماز صحیح ہوگی۔ خواہ ان دونوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف اطراف میں ہوں" اسی طرح الرسالہ میں امام شافعی رحمہ اللہ آگے ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

قلت وكلفنا فى انفسنااينماكنانتوجه الى البيت بالقبله قال نعم.قلت افتجد ناعلى احاطه من اناقداصبناالبيت بتوجهنا ؟ قال اماكماوجدتكم حين كنتم ترون البيت فلاواماانتم فقدأتيتم ماكلفتم قلت:والذى كلفنافى طلب العين المغيب غيرالذى كلفنافى طلب العين المشاهد قال نعم.(۷۵)

میں نے کہا: کیا ہم جہاں بھی ہوں کعبہ کی طرف منہ کرنے کے مکلف ہیں (امام شافعی رحمہ اللہ نے) کہا درست ہے۔

میں نے کہا: کیا آپ ہمیں اس بات کی قدرت میں پاتے ہیں کہ ہم بیت اللہ شریف کی طرف ٹھیک ٹھیک متوجہ ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا: اگر تو تم بیت اللہ شریف کو دیکھ رہے ہو تو ایسی صورت میں تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ تم اسی کے مکلف ہو۔ جو تم کرسکتے ہو۔ میں نے کہا: کیا ہم آنکھ سے اوجھل ہونے کی صورت میں حالت مشاہدہ کے سوا کسی اور بات کے مکلف ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اس مسلک میں اور جمہور کے مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تعیین قبلہ کیلئے ہر صورت میں غور و تحری ضروری ہے۔ گویا یہ امر متفق علیہ ہے کہ دور والے شخص کیلئے جہت قبلہ" کو اپنانا ضروری ہے۔ علامہ محب الدین الطبری شرح التنبیہ میں فرماتے ہیں۔

فرض البعید ہو الجھہ مطلقاً ولا اعلم خلافہ(۷۶)دور والے شخص کا فرض مطلقاً کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا ہے۔مجھے اس میں اختلاف کا علم نہیں ہے۔

معذور کیلئے استقبال قبلہ کے احکام

یہ توقدرت واستطاعت کے احکام ہیں لیکن اگر اسے کوئی ایسا عذر درپیش ہے جو اس کیلئے قبلہ رو ہونے سے مانع ہے۔ مثلاً دشمن کا خوف یا بیماری، یا اشتباہ کی حالت تو ان تمام صورتوں میں استقبال قبلہ کا حکم ساقط ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ابوبکر الکاسانی اپنی کتاب بدائع میں لکھتے ہیں۔

"پھر اگر وہ عاجز ہو تو یا تو وہ قبلہ کا علم ہونے کے باوجود کسی عذر کے پیش آنے کی بنا پر عاجز ہوگا یا پھر وہ اشتباہ کی بنا پر عاجز ہوگا۔

اگر تو وہ قبلے کا علم ہونے کے باوجود کسی عذر کے پیش آنے کی بنا پر معذور ہوا تو اس کو اجازت ہے جس طرف اس کیلئے ممکن ہو وہ اسی طرف منہ کرکے نماز ادا کرے۔ اور اس کیلئے استقبال کعبہ کا حکم ساقط ہوجائے گا۔ مثلاً اس صورت میں کہ جب اسے کسی دشمن یا ڈاکو یا درندے کے حملے کا خطرہ ہو۔ یا وہ سمندر میں کسی بحری جہاز/کشتی پر سوار ہو اور اسے ڈر ہو کہ اگر اس نے قبلہ کی طرف منہ کیا تو وہ اپنے غالب گمان میں غرق ہوجائے گا۔ یا وہ بیمار ہو اور از خود قبلہ کی طرف منہ نہ کرسکتا ہو اور نہ وہاں کوئی ایسا شخص ہو جو اس کو قبلہ رو ہونے میں مدد دے سکے۔ یا اسی طرح کی کوئی دوسری حالت ہو۔ اس لئے کہ یہ نماز کی اضافی شرط ہے۔ لہذا معذوری کے وقت ساقط ہوجائے گی۔

اور اگر وہ اشتباہ کی بنا پر قبلہ رو ہونے سے عاجز ہوجائے مثلاً یہ کہ وہ اندھیری رات کے وقت کسی جنگل/صحراء میں ہو یا اسے قبلے کی علامات کا علم نہ ہو اور نہ وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس سے وہ پوچھ سکے تو اس کیلئے غور وفکر درست نہیں ہے بلکہ اس کیلئے پوچھنا لازمی ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو جس سے وہ قبلہ کی سمت دریافت کرسکے تو اس کیلئے غور وفکر (تحری) جائز ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت میں تکلیف احکام وسعت اور امکان کے

مطابق ہے۔ اور چونکہ اس صورت میں غور وفکر (تحری) کے سوا اس کے بس میں اور کچھ نہیں ہے۔ لہذا اس کی نماز تحری (غور وفکر) کے ساتھ درست ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ (تم جدھر بھی منہ کروگے۔ وہیں اللہ کی ذات ہے) نیز اس لئے بھی کہ صحابہ کرام نے اس پر اظہار ناپسندیدگی نہیں کیا تھا۔ جو اس کے جواز کی دلیل ہے۔(۷۷)

ایک اور حنفی فقیہ علامہ المرغینانی فرماتے ہیں

"اگر کوئی شخص (دشمن) سے خائف ہو تو وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز ادا کرے۔ اس کیلئے اس کا عذر متحقق (ثابت شدہ) ہے۔ لہذا اس کی حالت اشتباہ (قبلہ) کی حالت کی مشابہ ہے۔ اور اگر اس پر قبلہ مشتبہ ہوجائے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے وہ دریافت کرسکے تو وہ غور وفکر کرے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں صحابہ کرام نے بھی غور وخوض کے بعد نماز پڑھ لی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس پر اظہار ناپسندیدگی نہ کیا تھا۔ نیز اس لئے کہ بر تر دلیل کی عدم موجودگی میں ظاہری دلیل پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور کسی سے پوچھنا غور و تحری سے بڑھ کر ہے(۷۸)

حنبلی مسلک بھی یہی ہے جیسا کہ معجم الفقہ الحنبلی میں ہے۔

خوف یا خطرے کے وقت قبلہ رو ہونے کی شرط ساقط ہوجاتی ہے(۷۹)

اس مسئلے میں مالکیہ بھی احناف اور حنابلہ کے ساتھ متفق ہیں۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی دوران جنگ علی الاطلاق اور نوافل مین خاص طور پر دوران سفر استقبال قبلہ کی شرط ساقط کرنے کا موقف اختیار کیا ہے۔ ان کے ہاں "تحری" کی شرط صحت کے ساتھ مشروط ہے یعنی یہ کہ اس کی تحری درست سمت میں واقع ہوئی ہو۔ بصورت دیگر اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہوگا جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک تحری کا درست سمت میں واقع ہونا شرط نہیں ہے۔ علامہ المرغینانی فرماتے ہیں۔

"اور اگر اسے نماز پڑھنے کے بعد علم ہوا کہ اس نے غلط جانب منہ کرکے نماز ادا کی ہے تو اس پر اعادہ ضروری نہیں ہے البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر اعادہ لازمی

ہے۔ جب اسے یقین ہوجائے کہ اس نے قبلے کی طرف پشت کر کے نماز ادا کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنی غلطی کا یقین ہوگیا ہے۔ (۸۰)

حالت اشتباہ کے احکام

جیسا کہ اوپر گزرا قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہاں کے مقامی لوگوں سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص جس سے دریافت کیا جاسکتا ہو وہاں موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ اس مسئلے پر غور و تحری سے کام لے۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ صاحب اجتہاد و بصیرت ہے تو اس کیلئے غور وفکر کرنا ضروری ہے۔

اور اگر دوران نماز میں ایسے شخص کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے تو وہ دوسری طرف اپنا چہرہ پھیر لے۔ جیسا کہ اہل قبا نے اپنے چہرے پھیر لئے تھے۔ علامہ المرغینانی لکھتے ہیں۔

"اگر اسے نماز میں اپنی غلطی کا علم ہوجائے تو وہ قبلے کی طرف اپنا منہ پھیر لے۔ اس لئے کہ جب اہل قبا کو نماز کے دوران قبلہ کی جہت تبدیل ہوجانے کا علم ہوا تو وہ نماز کے دوران اس طرف پھر گئے تھے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس عمل کو مستحسن قرار دیا۔ یہی حکم اس وقت ہے۔ جب اس کی رائے کسی اور طرف بدل جائے۔ کیونکہ اس پر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے (۸۱)

حالت اشتباہ میں گواہی

یہاں یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر کسی شخص پر قبلہ مشتبہ ہوجائے اور اسے کسی سے دریافت کرنا پڑے تو اس کیلئے شہادت کا نصاب کیا ہے؟

اس مسئلے پر اکثر فقہاء نے خاموشی اختیار کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ متعلقہ شخص کی صوابدید پر منحصر ہے۔ اسے جس شخص سے پوچھ کر قلبی اطمینان حاصل ہوسکتا ہو۔ وہ اس کے قول پر عمل کرے۔ البتہ معجم الفقہ الحنبلی میں اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لکھا ہے:

"تعیین قبلہ کے مسئلے میں عاقل بالغ مسلمانوں کی شہادت درست ہے خواہ وہ مرد ہوں یاعورتیں۔ اس مسئلے میں ایک شخص کی شہادت بھی قابل قبول ہے۔ البتہ کسی بھی صورت میں تعیین قبلہ کیلئے کسی کافر یا فاسق شخص کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی(۸۲)

تعیین جہت قبلہ کیلئے محراب مقدم ہیں۔ یا قیاس واجتہاد

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام فقہائے کرام "استقبال قبلہ" کی فرضیت اور اس کے شرط نماز ہونے پر متفق ہیں تو سمت قبلہ کے ادراک میں آیا:
قدیم محرابوں، مساجد کو مقدم سمجھا جائے یا اس مسئلے میں قیاس واجتہاد اور غور و تحری کو اولیت دی جائے۔

تاریخی اور فقہی کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال نیا نہیں ہے۔ بلکہ شروع زمانۂ اسلام سے یہ سوال کئی مرتبہ اٹھایا گیا اور فقہاء کرام نے اس کا اپنے اپنے طور پر حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ نامور محقق علامہ مقریزی (۷۶۴ھ--- ۱۴۴۱ھ) اپنی کتاب الخطط میں لکھتے ہیں

امیر مصر احمد بن طولون (۸۳) نے جب مصر میں اپنی مشہور مسجد (جامع ابن طولون) بنانے کا ارادہ کیا تو چند ماہر انجینروں کو مدینہ منورہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی ﷺ کی سمت قبلہ کو آلات ریاضی سے جانچا تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعے نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی ﷺ کی سمت قبلہ دس درجہ مائل بہ جنوب ہے(۸۴)

اور پھر جب اس نے اس کے مطابق مسجد کی بنیاد رکھی تو اس کا قبلہ جامع عمرو بن العاص سے کسی قدر منحرف ہوگیا۔ چنانچہ علماء نے جامع عمرو بن العاص کی اتباع ہی کو اولی قرار دیا اور مصر واطراف کی مساجد اسی کے مطابق تعمیر کرنے کی ہدایت کی(۸۵)

علامہ مقریزی رحمہ اللہ نے مسجد نبوی کے قبلہ کے متعلق جو صراحت کی ہے۔ وہ غالباً مصری ماہرین کی کسی تکنیکی غلطی کا نتیجہ ہے ورنہ جب کہ صاحب وفاء الوفاء وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ مسجد نبوی میں سمت قبلہ کی تعیین بطور وحی ومکاشفہ رکھی گئی تھی۔ حق تعالی جل شانہ نے بیت اللہ شریف کو آپ کے سامنے بطور معجزہ مجسم

کردیا۔(۸۶) لہذا اتنی صراحت اور اتنے مشاہدے کے ساتھ متعین کردہ سمت قبلہ غلط نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ عصر حاضر میں جب مسجد نبوی اور مسجد قبا کے قبلے کی جانچ کی گئی تو وہ مکمل طور پر درست پائی گئی۔ نہ تو مائل بہ جنوب ہے اور نہ مائل بہ مشرق ہے چونکہ ابن طولون کے زمانے میں ابھی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی لہذا ماہرین سے تکنیکی غلطی کا ہونا ناممکن نہیں ہے۔

حافظ بدالدین عینی فرماتے ہیں

وذکرابوالبقاان جبرئیل علیه السلام وضع محراب رسول اللہؐ مسامت الکعبه وقیل کان ذالک بالمعاینة بان کشف الحال وازیلت الحوائل فرأی رسول اللہؐ الکعبه فوضع قبله مسجده علیها (۸۷)

ابوالبقا نے ذکر کیا ہے کہ جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کی محراب کعبہ کی سمت میں رکھوائی۔ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر محراب رکھی۔ اس طرح آپ کے سامنے اصل حالت ظاہر ہو گئی اور تمام پردے دور ہو گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو کھلی آنکھ سے دیکھا اور اس پر اپنی مسجد کی بنیاد رکھی۔

اسی طرح کی روایت السمہودی رحمہ اللہ نے وفاالوفاء میں نقل کی ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

عن نافع بن جبیر من طرق مرفوعاًماوصفت قبله مسجدی هذا حتیٰ رفعت الی الکعبه فوضعتهاامامها (۸۸)

حضرت نافع بن جبیر سے مرفوع روایت ہے کہ میں نے اپنی اس مسجد کا قبلہ اس وقت تک نہیں رکھا جب تک کعبہ میرے سامنے ظاہر نہ ہوا۔ تو میں نے اس کے سامنے اس کو تعمیر کرایا۔

نامور محدث اور فقیہ قاضی عیاض المالکی اپنی کتاب "الشفاء" میں فرماتے ہیں۔

رفعت له الکعبه حین بنی مسجدہؐ (۸۹) جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد تعمیر کی تو کعبہ آپ کے سامنے ظاہر کیا گیا۔

تاہم محققین نے ان تمام روایات کے مضمون پر اعتراض کیا ہے۔ اس لئے کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی۔ اس وقت مسلمانوں کا قبلہ "بیت المقدس" تھا۔ اور پھر مسجد نبوی میں اس وقت محراب موجود نہ تھا۔ مسلمانوں میں پہلی مرتبہ محراب قرہ بن شریک نے بنایا اور محراب مجوف (یعنی مستقل محراب) بنانے کا سب سے پہلے اعزاز حضرت عمر بن عبد العزیز کو حاصل ہے (۹۰) اس لئے علمائے کرام نے اس جگہ محراب بنانے سے مراد آپ کی جائے نماز اور اس کے قبلہ رخ کو لیا ہے (۹۱) جبکہ نامور محدث اور سیرت نگار علامہ الخفاجی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

المعروف ان جبرئیلؑ اعلمه بحقیقه القبله واراه سمتها لا انه رفع له الکعبه حتی رأها (۹۲)

مشہور یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو قبلہ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ اور اس کی صحیح سمت ظاہر کی۔ نہ یہ کہ کعبہ آپ کے سامنے اٹھایا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اسے دیکھ لیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کا ہر عمل امت کیلئے اسوہ حسنہ بننے والا تھا۔ اور اگر کعبہ کی تعیین اور اس کی جہت کی شناخت میں پیغمبر سے غلطی ہو جائے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کو کعبہ جیسے بنیادی اور اہم مسئلے میں اللہ تعالی کی طرف سے رہنمائی ملنے کی ایک اور ذریعہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس بات پر تمام امت کا اجماع ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی۔ حالانکہ قرآن مجید کی کسی آیت میں بلکہ کسی حدیث صحیح میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم نہیں ملتا۔ یہ حکم یقینی طور پر اس پیغمبرانہ وحی کا حصہ ہے۔ جسے وحی غیر متلو یا وحی خفی کہا جاتا ہے۔ جس سے مراد "پیغمبر" سے اللہ تعالی کا وہ تعلق ہے جو کسی کو ظاہراً نظر نہیں آتا۔ لیکن پیغمبر ﷺ اس ربط اور اس تعلق میں از سر تا پا محو اور فنا ہوتا ہے۔ اور جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے کہ:

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحَىٰ (۹۳)

اور پیغمبر اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ وہ تو وحی ہوتی ہے۔ جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے

تو پھر اس کے بعد من و تو" میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں بھی کبھی کبھار نماز ادا فرمائی تو وہاں آپ ﷺ نے ٹھیک کعبے کی سمت میں نماز ادا کی۔ چنانچہ علامہ السمہودی رحمہ اللہ نے وفاء الوفاء میں لکھا ہے:

وکل موضع صلی فیه رسول اللّٰہ وضبط موقفه تعین ولا یجتهد فیه بتیامن ولاتیاسر (۹۴)

ہر وہ جگہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور آپ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محفوظ رکھا گیا تو اس سے کعبہ کی جہت متعین ہو گئی اور اس میں اجتہاد نہ کیا جائے نہ دائیں اور نہ بائیں۔

اسی طرح مسجد نبوی میں جس کے قبلے کی رسول اللہ ﷺ نے تعیین و تصریح فرمادی ہے اس سے دائیں یا بائیں ہونا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ منصور شرح القناع میں لکھتے ہیں۔

لایجوز فی مسجدہٗ وقرب منه الانحراف یمینه ولایسرہ کمن بالمسجدالحرام (۹۵)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کی مسجد کے آس پاس دائیں یا بائیں انحراف جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ مسجد حرام کا یہی حکم ہے۔

نکتہ دانوں نے اس سے بڑے بڑے خوبصورت نکتے پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے اس مسئلے کو جمہور کے مسلک کی تائید کیلئے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ انہی شیخ منصور نے آگے جا کر لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں سیدھی لمبی صف درست ہے۔ حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ یقینی طور پر کعبہ کے متوازی نہ ہونگے۔ لیکن اس پر اصل وجوب جہت قبلہ کا استقبال ہے۔ اور وہ انہوں نے کیا ہے۔

مسجد نبوی اور عہد نبوی کی تعمیر کردہ دوسری مساجد کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تعمیر کردہ مساجد کو بھی محدثین اور فقہاء نے یہی حیثیت عطا کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ان کی موجودگی میں اجتہاد و قیاس سے کام لینا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان حضرات کی ذاتی

زندگی اور ورع و تقوی کے علاوہ انہیں تائید و حفاظت الٰہی کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ لوگ اسلام کے سچے سپاہی اور راہ حق کے مجاہد تھے اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان لوگوں سے قبلہ کا رخ متعین کرنے اور اس کے ادراک میں غلطی ہوئی ہوگی۔ اس لئے ان حضرات کی تعمیر کردہ مساجد آنے والی نسلوں کیلئے معیار قبلہ ہیں۔ کہ ان کے محرابوں کی طرف دیکھ کر اپنی مسجدوں اور اپنی نمازوں کا قبلہ درست کرنے کا حکم ہے۔

اگر ہم ان حضرات کی تعمیر کردہ مساجد کی خصوصیات کا ایک جائزہ لیناچاہیں تو ہمارے سامنے اس کی حسب ذیل خصوصیات آتی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

کامل حزم واحتیاط: باوجود اس بات کے کہ یہ تمام مساجد غور و تحری کی بنا پر ہی تعمیر ہوئی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں۔

ومحاريب الدنياكلهانصبت بالتحرى حتى منى ولم يزدعليه شئى وهذا خلاف مانقل عن ابى بكرالرازى فى محراب المدينه انه مقطوع به فانمانصبه رسول اللهؐبالوحى بخلاف سائرالبقاع حتى قيل ان محراب منى نصبت بالتحرى والعلامات وهواقرب المواضع الى مكه(٩٦)

تمام دنیا کے محراب تو غور و تحری کے ساتھ بنائے گئے ہیں حتی کہ منی کا محراب بھی۔ اس سے زائد اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ قول اس کے برخلاف ہے۔ جو امام رازی نے مسجد نبوی کے محراب کے متعلق نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا قبلہ قطعی ہے۔ اس لئے کہ اسے نبی اکرم ﷺ نے متعین کیا تھا۔ بخلاف دوسری جگہوں کے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ منیٰ کی مسجد کا قبلہ بھی تحری اور غور و فکر کے ذریعے بنایا گیا ہے جو مکہ مکرمہ سے نزدیک ترین مقام ہے۔ لیکن غور و تحری اور قبلے کی علامتوں کی شناخت میں صحابہ کرام اور حضرات تابعین جس حزم واحتیاط اور جس ذمہ داری اور فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ بعد کی تاریخ میں اس کی بہت کم کوئی مثال ملتی ہے۔ چنانچہ مصر کی نامور مسجد جامع عمرو بن العاص کے قبلے کی تعیین کا حال علامہ مقریزی نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ان بزرگوں سے جو مسجد فتح مصر (یعنی جامع عمرو بن العاص کے موقع پر موجود تھے۔ یہ سنا کہ جامع مسجد کے قبلے کی تصحیح کیلئے اسی صحابہ کرام مقرر کئے گئے تھے۔ ان میں حضرت زید بن العوام۔ حضرت مقداد۔ عبادہ بن صامت۔ ابو درداء۔ فضالہ بن عبید اور عقبہ بن عامر بھی شامل تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہماری اس مسجد کی بنیاد چار صحابہؓ نے رکھی۔ ان میں حضرت ابوذر۔ ابو بصیرہ۔ محمئہ بن الزبیدی، اور نبیہ بن صواب تھے۔ عبد اللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ہماری اس محراب کو حضرت عبادہ بن صامت اور رافع بن مالک نے متعین کیا اور وہ دونوں صحابہ کے نقیب (سردار) تھے۔ ایک اور راوی داؤد بن عقبہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ اور عمرو بن علقمہ القرشی العدوی کو قبلے کی تعیین کیلئے مامور فرمایا۔ اور ان سے فرمایا کہ تم دونوں وہاں کھڑے رہو۔ جب سورج ڈھلے یا یہ فرمایا کہ جب سورج نصف النھار پر پہنچے تو سورج کو حاجبین پر لینا۔ ان دونوں حضرات نے ایسے ہی کیا۔ امام لیث فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے رسی تان کر قبلے کی تعیین کی۔ اور حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ قبلہ مشرق کی طرف رکھو۔ "حرم کعبہ" کا صحیح استقبال ہوگا (۹۷).

اس عبارت میں اگرچہ بظاہر اختلاف اقوال نظر آتا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں ان تمام روایات کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ عین ممکن ہے کہ جامع عمرو کے قبلے کی تعیین میں ان تمام صحابہ نے حصہ لیا ہو۔ اس سے ان حضرات کی اس احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ جو سمت قبلہ جیسے اہم مسئلے میں اسلام کو مطلوب ہے۔ ان حضرت نے کسی ایک شخص یا محض معمار کی رائے پر انحصار نہیں کیا۔

اتنی احتیاط سے اگر سمت قبلہ کی تعیین کی گئی ہو تو اس میں غلطی کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔

حضرات صحابہ کی جغرافیے سے واقفیت

اس میں شک نہیں کہ ان بزرگوں نے اس موقع پر کسی قسم کے آلات رصدیہ یا "حسابات ریاضیہ" سے کام نہیں لیا تھا۔ (۹۸) لیکن یہ حضرات عرصہ دراز سے ان تمام

ملکوں اور شہروں میں تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں زمانہ قدیم سے آمدورفت رکھتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں مصروشام کے نہ صرف تمام شہروں اور اہم مقامات کا جغرافیہ یاد تھا۔ جس کا انہوں نے جنگوں کے دوران پورا پورا فائدہ اٹھایا بلکہ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سمت اوراس کے رخ کا بھی پورا پورا علم تھا۔ اوراسی علم کی روشنی میں ان کے قافلے اور اسلامی لشکر بلا کسی روک ٹوک کے ایک شہر سے دوسرے شہر میں آمدورفت رکھتے تھے۔ اور انہیں شہروں تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔

جغرافیے اور ارضیات سے ان حضرات کے شغف اور اس میں مہارت کا علم اس امر سے ہوسکتا ہے کہ مؤرخین نے حضرت عمر فاروق علیہ السلام کے عہد خلافت میں لڑی جانےوالی تمام جنگوں کے متعلق اس بات کی صراحت کی ہے کہ حضرت عمرفاروق مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اسلامی لشکروں کوان کی نقل وحمل کے سلسلے میں نہ صرف مکمل رہنمائی فرماتے تھے بلکہ ان کو فوج کے سپرد کرنے اور میدان جنگ کا انتخاب کرنے سے متعلق بھی ہر قسم کی ہدایات ''مرکز اسلام'' سے روانہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق علیہ السلام زمانہ جاہلیت میں ان تمام شہروں میں کئی بار بسلسلہ تجارت آجاچکے تھے۔

ایسی صورت میں ان بزرگوں کیلئے کسی شہر کی صحیح سمت(Direction) کا تعین کیسے دشوار ہوسکتا ہے۔ اور اس کام کیلئے انہیں آلات رصدیہ کے استعمال کی بھلا کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔

سورج اورچاند ستاروں سے سمتوں کاادراک:

قدرت نے عربوں کوجن فطری خصوصیات سے مالامال کیاتھا۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ حضرات سورج اور چاند ستاروں سے شہروں کی سمتوں اور اوقات وغیرہ کا بخوبی تعین کرسکتے تھے۔ اور ان کا علم اس حد تک صحیح اور بھرپور ہوتا تھا کہ المقریزی رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

ان عمر وبن العاصؓ کان یمد الحبال حتی اقیمت قبلہ المسجد

وقال عمروبن العاص شرقوالقبلہ تصیبواالحرم(۹۹)

حضرت عمرو بن العاص رسی پھیلا کر سمت قبلہ درست فرماتے تھے۔ اور انہوں نے فرمایا قبلہ تھوڑا سا مشرق میں رکھو تو تمہارا رخ حرم کعبہ کی طرف ہوگا۔

وہ قوم جس کی ساری عمر کھلے صحراؤں میں زمین کی ننگی پشت پر سفر کرتے ہوئے گزری ہو جو صحراؤں کی رفتار، سورج کے طلوع وغروب، ستاروں اور سیاروں کے مواقع طلوع غروب سے سمتوں اور اوقات کا اندازہ کرنے میں اس درجہ مہارت رکھتے ہوں کہ ان کے یہ اندازے علمی اور سائنسی دنیا کے مقرر کردہ اندازوں کی طرح مکمل طور پر درست اور صحیح نظر آتے ہوں۔ انہوں نے اگر "سمت قبلہ" کی تعیین میں آلات رصدیہ کا استعمال نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن کیا بعد کے زمانے اور بالخصوص ہمارے آج کے دور میں بھی اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ہمارے خیال میں اس کا جواب اثبات میں ہے۔

تائید ایزدی: پھر ان حضرات کے ہر قول وفعل کو اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل تھی۔ ان کا کوئی عمل بھی تائید الٰہی اور نصرت باری سے خالی نہ تھا۔ اسی لئے ان خاک نشینوں نے قیصر وکسریٰ کے تاج الٹ دیئے۔ ان کی صدیوں سے قائم بادشاہتوں کے چراغ گل کردیے۔ تہذیب وتمدن اور تعلیم وتربیت اور جدید ترین اسلحہ اور سازوسامان سے لیس انہوں نے کئی کئی گنا بڑی بڑی افواج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ یہ تمام تاریخی معرکے ان حضرات نے تائید ایزدی کے بغیر نہیں لڑے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اقوال وافعال کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید ونصرت حاصل تھی۔ اور جب کسی قوم کو تائید ونصرت الٰہی حاصل ہو تو اس کیلئے ارضی اور سماوی فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ کوہ ودمن کی دشوار گزار گھاٹیاں ان کے سامنے سرنگوں ہوجاتی ہیں۔ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ امیر المومنین مسجد نبوی سے آواز دیتے ہیں۔ **یاساریۃ الجبل** (اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو) تو سینکڑوں میلوں کے فاصلے پر دشمن سے برسر جنگ مسلمانوں کے لشکر کو یہ آواز تائید غیبی کے طور پر سنائی دیتی ہے۔ اور وہ عقب سے ہونے والے دشمن کے حملے سے بچ

جاتے ہیں۔

ایک شخص سینکڑوں میل سے آنکھ جھپکنے کی مقدار میں ایک حکومت کا عظیم الشان تخت اٹھا کر بھرے دربار کو حیران وششدر کردیتا ہے(۱۰۰)

مسلمانوں کا لشکر بپھرے ہوئے دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیتا ہے اور دریا کی طوفانی لہریں۔ ان کے گھوڑوں کے قدموں سے اوپر نہیں جاتیں۔

مسلمانوں کے جن تیروں کو دیکھ کر ایرانی ہنستے ہیں اور انہیں "تکلہ" قرار دیتے ہیں۔ مسلمان انہی تیروں اور اپنی تلواروں کے ساتھ دنیا کی دو عظیم اور ترقی یافتہ سلطنتوں کو تہ و بالا کردیتے ہیں۔ اوراس طرح کے سینکڑوں واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرات صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو کس طرح تائید غیبی کا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ان بزرگوں نے فسطاط، کوفہ، بصرہ اوردوسرے شہروں میں مساجد تعمیر کیں تو غیب سے ان کی تائید ونصرت نہیں کی گئی اور انہیں مساجد کی تعمیر و تشکیل کے وقت جہت کعبہ سے مطلع نہیں کیا گیا۔

مسالک فقہ کی تفصیل

یہ مسئلہ چونکہ سابق مسئے کی طرح بہت اہم ہے۔ اس لئے ہم اس کے متعلق بھی فقہی مسالک کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر یہاں دو ہی مسالک ہیں۔ ایک مسلک جمہور کا ہے۔ اور دوسرا شوافع کا۔ جمہور کے نزدیک چونکہ قبلہ "جہت کعبہ" ہے۔ عین کعبہ نہیں۔ لہذا ان کے نزدیک سابق دور میں بالعموم اور عہد صحابہ وتابعین کے دور میں تعمیر شدہ مساجد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کہ ان کی موجودگی میں کسی قسم کا قیاس واجتہاد درست نہیں ہے۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اصل حکم "عین کعبہ" کی طرف منہ کرنے کا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک سابق محرابوں اور مساجد کی موجودگی میں بھی تحری وقیاس سے صحیح سمت کعبہ دریافت کرنے کا حکم ہے۔(۱۰۱)

ن . . . ک کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے۔

حنفی مسلک: نامور محقق اور فقیہ شمس العلماء ابو بکر بن مسعود الکاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں۔ "اور اگر وہ شخص کعبہ سے دور ہو تو اس کیلئے اس کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ یعنی ان محرابوں کی طرف جو سمت قبلہ پر دلالت کرنے والے دلائل کی بنیاد پر بنائی گئی ہوں۔ نہ کہ عین کعبہ کی طرف۔ پھر جب جہت قبلہ ان محرابوں کو مقرر کردیا گیا جو بنائی جاتی ہیں جن میں خطاء کا ظاہر ہونا تصور نہیں ہوسکتا۔ تو نمازی کی یہ جہت کعبہ کے سامنے ہونے کی حالت میں عین کعبہ کے قائم مقام ہوگی۔ اور حق تعالی جل شانہ حالات کے بدلنے سے جس سمت کو چاہیں قبلہ قرار دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس ارشاد باری تعالی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ.

نیز اس لئے کہ کعبہ سے دور ہونے کی حالت میں عین کعبہ کو تحری واندازہ سے قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ اور تحری کا دار ومدار بغیر کسی علامت کے قلبی شہادت پر ہے۔ اور جہت کعبہ کو قبلہ بنانے کا مدار محض ان علامتوں پر ہے۔ جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ستارے، سورج اور چاند وغیرہ۔ لہذا علامات سے سمت قبلہ کا ادراک کرنا محض تحری سے اس کے ادراک سے بہتر ہے۔ اسی لئے جو شخص کسی شہر میں داخل ہوجائے اور وہاں مساجد کی محرابیں دیکھے تو اس پر ان کی طرف رخ کرنا ضروری ہوگا"۔(۱۰۲)

اسی طرح نامور حنفی فقیہ اور مجتہد علامہ قاضی خان (۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء) فتاوی قاضی خان میں لکھتے ہیں "جہت قبلہ کا ادراک کسی دلیل سے کیا جاتا ہے۔ شہروں اور بستیوں میں اس کی دلیل وہ محرابیں اور مساجد ہیں۔ جنہیں صحابہ کرام اور تابعین نے بنایا تھا۔ جب انہوں نے عراق فتح کیا تھا۔ تو انہوں نے وہاں کے رہنے والوں کیلئے مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ متعین کیا تھا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عراق میں ہو تو وہ مغرب کو دائیں اور مشرق کو بائیں طرف رکھے۔ یہی قول امام محمد کا ہے۔ اور اگر وہاں صحابہ

وتابعین کے بنائے ہوئے محراب موجود نہ ہوں۔ تو وہاں کے لوگوں سے پوچھا جائے(۱۰۳)
اسی طرح فتاوی عالمگیری میں ہے۔

جو شخص مکہ مکرمہ سے باہر ہو اس کا قبلہ جہت کعبہ ہے۔ یہی عام مشائخ کا قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ اس جہت کعبہ کا ہمیں علم اس کے دلائل سے ہوتا ہے۔ اور شہروں اور بستیوں میں وہ محراب ہیں جنہیں صحابہ کرام اور تابعین نے بنایا تھا۔ ہم پر ان کی اتباع ضروری ہے۔ اور اگر وہاں کوئی محراب نہ ہو تو وہاں کے لوگوں سے جہت کعبہ کی بابت پوچھا جائے۔ جبکہ سمندروں اور صحراؤں میں قبلے کی دلیل ستارے ہیں۔(۱۰۴)

اسی طرح معجم الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے۔

احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی شہر یا دیہات یا جنگل وغیرہ میں ہے اور وہ نماز پڑھنا چاہتا ہو تو اگر وہاں ایسی قدیم مساجد موجود ہوں جنہیں صحابہ کرام یا تابعین نے تعمیر کیا ہو (جیسے مثلاً وہ آدمی دمشق میں ہو یا مصر کے شہر (فسطاط وغیرہ میں) تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان قدیم مسجدوں کی محرابوں کے رخ پر نماز ادا کرے۔ اور ان کی موجودگی میں اس کیلئے قیاس اور استقراء جائز نہیں ہے۔

اور اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں پرانی مسجدیں موجود نہیں ہیں تو ایسی صورت میں اس کیلئے لوگوں سے دریافت کرنے۔ یا قیاس و استقراء کے ذریعے صحیح سمت قبلہ دریافت کرنا ضروری ہوگا۔(۱۰۵)

مالکی مسلک: جیسا کہ اوپر گزرا۔ امام مالک کے متبعین کا بھی یہی موقف ہے۔ چنانچہ الجزیری لکھتے ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں قدیم زمانے کی بنی ہوئی مساجد محرابیں موجود ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان محرابوں کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔ قدیم محرابوں کا انحصار ان چار محرابوں پر ہے۔

۱۔ مسجد نبوی ﷺ کی محراب

۲۔ مسجد بنی امیہ کی محراب۔ شام میں۔

۳ مسجد عمرو بن العاص کی محراب مصر میں۔
۴۔ مسجد قیروان کی محراب (افریقہ میں)
اور اگر اس نے اپنی رائے کے مطابق ان محرابوں سے پھر کر کسی اور جگہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرلی تو نماز باطل ہوگی۔

ان محرابوں کے علاوہ اگر کوئی اور مسجد ہو اور اسے ماہرین کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق ٹھیک طور پر بنایا گیا ہو تو جو شخص اس کے صحیح ہونے کی بابت اپنی رائے سے کام لینے کی قابلیت رکھتا ہو تو اسے ان محرابوں کی سمت رخ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ لیکن واجب نہیں ہے کہ اس کی تقلید کی جائے۔ جو محرابیں دیہاتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ایسے شخص کیلئے جائز نہیں ہے۔ جو اپنی رائے سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہو بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ اس کی بناوٹ کے درست ہونے کے متعلق پہلے اپنی رائے قائم کرے۔ (۱۰۶)

گویا مالکیہ کے ہاں مساجد / محرابوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ مساجد جن کا اوپر ذکر ہوا۔ ان کی موجودگی میں کسی اور طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ شہروں کی قواعد و ضوابط کے مطابق بنی ہوئی مساجد۔ ان کی موجودگی میں "اہل الرائے" کیلئے نمازی کا رخ / قبلہ متعین کرنے میں ان کا خیال رکھنا یا قیاس و اجتہاد کرنا درست ہے۔

۳۔ دیہات کی مساجد۔ ان کی موجودگی میں بہر صورت اجتہاد و استقراء ضروری ہے۔

حنبلی مسلک: حنابلہ یعنی امام احمد بن حنبل کے متبعین کے ہاں بھی یہی قول مختار ہے کہ سابقہ محرابوں / مسجدوں کی موجودگی میں اس کیلئے قیاس و استقراء درست نہ ہوگا چنانچہ معجم الفقہ الحنبلی میں ہے۔

ومن نزل فی بلده ففرضه التوجه الی محاریب اهل البلدوقبلتهم المنصوبهلانهاینصبهااہل الخبره ولایجوزله الاجتهادومن كان

اعمی اوبصیرا لکن لاعلم له بادله القبله ففرضه التقلیدفی قبله.(۱۰۷)

اور اگر کوئی شخص کسی شہر میں آئے۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس شہر کی مساجد اور ان کے قبلے کی طرف منہ کرے۔اس لئے کہ اس کی تعیین اہل علم نے کی ہے۔ اور اس کیلئے اجتہاد جائز نہیں ہے۔اور اگر وہ اندھا ہو یا بینا مگر دلائل قبلہ سے ناواقف ہو تو اس پر قبلہ کے مسئلے میں تقلید فرض ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیری نے فقہ حنبلی میں یہ تین صورتیں بیان کی ہیں۔

(الف) وہاں کوئی قدیم آباد مسجد ہو تو نمازی پر اس کا اتباع لازمی ہے۔قیاس واستقراء سے اس کی مخالفت درست نہ ہوگی۔

(ب) وہاں کوئی قدیم آباد مسجد نہ ہو۔(خواہ غیر آباد/ویران محراب موجود ہو) تو وہ مقامی لوگوں سے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں دریافت کرے اور ان کے بتائے ہوئے رخ پر نماز ادا کرے۔

(ج) اگر کوئی بتانے والا موجود نہ ہو یا پھر اسے پختہ طور پر علم نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ اجتہاد و تحری سے کام لے۔(۱۰۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ نے حنفی مسلک اتباع کیا ہے۔ اور یہ کہ ان کے مسلک اور حنفی اور مالکی مسلک میں کوئی فرق نہیں ہے ہم ان تینوں مسالک کیلئے "جمہور فقہاء" کا لفظ استعمال کرسکتے ہیں۔

شافعی مسلک: جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔امام شافعی رحمہ اللہ جمہور کے مسلک کے مخالف ہیں۔جوجہت کعبہ کے بجائے "عین کعبہ" یاسمت کعبہ کی طرف منہ کرنے کے قائل ومؤید ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر صورت میں تحری وقیاس مقدم ہے۔ چنانچہ صاحب بغیہ لکھتے ہیں۔

وعند الشافعیه یجوز التحری فی سائر المحاریب حتی محاریب الصحابه والتابعین بل یجب فی اکثرالاوقات.(۱۰۹)

امام شافعی کے متبعین کے نزدیک تمام محرابوں حتی کہ صحابہ وتابعین کے بنائے ہوئے

محرابوں کی موجودگی میں بھی تحری جائز ہے۔ جبکہ اکثر اوقات تحری واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ الجزیری رحمہ اللہ نے ان کے مسلک میں تعیین قبلہ اور اجتہاد کے چار درجے بیان کیے ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ متعلقہ شخص از خود سمت قبلہ معلوم کرسکتا ہو تو اس کیلئے لازمی ہے کہ وہ اجتہاد و تحری کے ذریعے سمت قبلہ کا تعین کرے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر وہ بذات خود سمت قبلہ کا تعین نہ کرسکتا ہو تو وہاں کے کسی معتبر شخص سے اس کی بابت استفسار کر کے اسے معلوم کرے۔ قبلہ معلوم کرنے کے جملہ آلات وذرائع مثلاً آلات قبلہ نما، قطب ستارہ، اور دیگر اشیاء جن سے سمت قبلہ کا علم ہوسکتا ہو۔ معتبر اشخاص کے حکم میں ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس سے وہ پوچھ سکتا ہو یا قبلہ معلوم کرنے کے آلات میں سے بھی کوئی آلہ اس کے پاس موجود نہ ہو اور کوئی بڑی مسجد یا اس نہج پر بنی ہوئی چھوٹی مسجد بھی وہاں موجود نہ ہو تو وہ اجتہاد و تحری کے ذریعے سمت قبلہ معلوم کرے۔

چوتھا اور آخری درجہ دوسرے شخص کے اجتہاد کی پیروی کا ہے کہ اگر وہ شخص بذات خود اجتہاد بھی نہ کرسکتا ہو تو وہ ایسے شخص کی پیروی کرے جس نے اجتہاد کے ذریعے سمت قبلہ کی تعیین کرلی ہے۔(۱۱۰)

الجزیری کے نقل کردہ شافعی مسلک کی اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں ان کا مسلک بھی جمہور کے مسلک سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ شافعی مسلک کی معتبر کتابوں سے بھی اس کی تائید توثیق ہوتی ہے۔ امام الشیرازی اپنی مشہور کتاب المھذب میں فرماتے ہیں۔

اذاکان فی قریه کبیره فیهامحاریب منصوبه الی جهه واحداووجد

محرابا أو علامه للقبله فی طریق هی جاده للمسلمین یجب علیه ان یتوجه الیها ولا یجوزله الاجتهاد فی القبله لان هذه العلامات کالیقین امافی الانحراف یمنها ویسرہ فیجوز ان یجتهد مع هذه العلامات (۱۱۱)

اگر وہ کسی ایسے شہر میں ہو جہاں تعمیر شدہ محراب یا مسلمانوں کی شاہراہ پر بنی ہوئی قبلہ کی کوئی علامت موجود ہو تو اس کیلئے اس کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ قبلے کے مسئلے میں اس کیلئے اجتہاد کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ علامتیں تعیین کے درجے میں ہیں البتہ دائیں یا بائیں انحراف کی صورت میں وہ ان علامتوں کی موجودگی میں انحراف کرسکتا ہے۔

امام النووی رحمہ اللہ نے شرح المهذب میں اسی مؤقف و مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اما المحراب فیجب اعتماده ولا یجوز معه الاجتهاد ونقل صاحب الشامل اجماع المسلمین علی ہذا واحتج له اصحابنا بان المحاریب لا تنتصب الا بحضره جماعة من اهل المعرفه سمت الکواکب والادله فجری ذالک مجری الخبر (۱۱۲)

رہا محراب تو اس پر اعتما کرنا ضروری ہے اور اس کی موجودگی میں اجتہاد درست نہیں ہے۔ اور صاحب شامل نے اس مسئلے پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ ہمارے ائمہ نے اس کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ مسجدوں کے محراب مسلمانوں کی ایسی جماعت کی موجودگی میں کھڑے کیے جاتے ہیں۔ جو ستاروں اور دوسری نشانیوں کے ذریعے سمت قبلہ معلوم کرسکتی ہے۔ لہذا یہ بات خبر کے قائم مقام ہے۔

ان تصریحات سے صاحب شامل کے اس قول کی تائید ہوجاتی ہے کہ انہوں نے اس مسئلے پر پوری امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ قدیم مساجد کی موجودگی میں اجتہاد و تحری جائز نہیں ہے۔ (۱۱۳)

استدراک: جمہور نے جن سابقہ محرابوں کی موجودگی میں قیاس و استقراء سے منع کیا ہے۔ یہ وہ مساجد ہیں۔ جنہیں حضرت صحابہ و تابعین کی طرح نہایت حزم و احتیاط اور کامل

فہم وفراست کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہو۔ لیکن اگر کسی مسجد کی تعمیر میں لاابالی پن ہوجائے اور قرینہ سے اندازہ ہو کہ اس مسجد کی تعمیر اور قبلے کی تعیین میں وہ حزم واحتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ جو تعمیر مساجد کیلئے مطلوب ومقصود ہے۔ توان حالات میں یقیناً قیاس واجتہادیا آلات قبلہ نما سے مدد لینا مناسب ہوگا۔ صاحب المہذب کی عبارت سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے دیہاتوں اور چھوٹے قصبوں کی مساجد کی موجودگی میں جو قیاس واستقراء کی اجازت دی ہے۔ اس کی حکمت بھی یہی ہے۔

ہمارے ہاں عموماً مساجد کی تعمیر اور قبلے کی تعیین کے وقت (الاماشاء اللہ) جس غفلت، لاپرواہی اور جس لاابالی پن کا مظاہرہ کیاجاتا ہے۔ اس کا اندازہ علامہ مشرقی کی اس صراحت سے ہوسکتا ہے۔ جو اس نے مساجد کے قبلے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھی ہے۔

''میں نے ایک شخص کو لاہور کے ملاؤں اور معماروں کے پاس بھیجا کہ وہ مسجد بناتے وقت قبلہ کا رخ کیونکر مقرر کرتے ہیں۔ ایک بڑی عمر کے حامل نے کہا! واہ جی یہ تو بہت آسان ہے۔ قطب تارے کی طرف ہاتھ پھیلا کر اور کندھے کی طرف دیکھ کر کھڑے ہوگئے تو ناک کی سیدھ میں قبلہ ہے۔ خیر میں سمجھ گیا کہ (اس) کی نجوم دانی کس قدر بے خطا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو آپ کہتے ہیں کہ شمالی ہندوستان کا قبلہ مغرب ہی کی طرف ہے۔ (۱۱۴)

اگرچہ علامہ مشرقی نے اس عبارت سے ہندوستان کی تمام مساجد کے متعلق جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ شہروں اور بعض قصبوں کی مساجد بڑے اہتمام اور بڑی باریک بینی سے حاصل کردہ نتائج کی روشنی میں تعمیر کی جاتی ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی بعض مساجد اس معیار کے مطابق ہیں۔ جس کا مشرقی صاحب نے ذکر کیا ہے۔

ان حالات میں ایسی مساجد اور ان کے محرابوں کا وہ حکم نہیں ہوسکتا جو حضرات صحابہ، تابعین اور دیگر بزرگوں کی تعمیر کردہ مساجد کا ہے۔

اس صورت میں یعنی جب یہ ثابت ہوجائے کہ اس مسجد کا قبلہ درست نہیں ہے۔ یا

اس کے قبلے کو متعین کرنے والے کا علم نہ ہو تو وہاں مسجد کے متعینہ قبلے سے انحراف کرنا جائز ہے۔ چنانچہ فتاوی الخیریہ میں ہے۔

اماالاجتهاد فیهاای فی محاریب المسلمین بالنسبه الی الجهه فلا یجوز حیث سلمت من الطعن لانهالم تنصب الابحضرة جمع من المسلمین اهل معرفه بسمت الکواکب والدلاله فجری ذالک مجری الخبر فتقلدتلک المحاریب وهذا کله اذالم یجتهدوامالواجتهدفظهرت له الخطاء ظناًاوقطعاًفلایسوغ له التقلید قطعاًای تلک المحاریب(۱۱۵)

مسلمانوں کی تعمیر کردہ مساجد کے قبلے میں جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو وہ اس وقت جائز نہیں ہے۔ جب وہ ہر قسم کے اعتراض سے مبرا ہوں۔ اس لئے کہ کعبہ کی تعیین مسلمانوں کی ایسی جماعت کی موجودگی میں کی جاتی ہے۔ جو ستاروں اور دیگر علامتوں کے ذریعے قبلے کی تعیین کا علم رکھتے ہیں۔ لہذا یہ بات خبر کے قائم مقام ہے۔ لہذا ان محرابوں کی پیروی کیجائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے اجتہاد نہ کیا اور اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس کے سامنے اس کی غلطی کا ظنی یا قطعی طور پر اظہار ہوگیا تو اس کیلئے قطعی طور پر اس محراب/مسجد کی تقلید ضروری نہیں ہے۔

بعدازاں علامہ خیرالدین نے جو کچھ لکھا ہے۔ بقول مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ان الشافعیه یجوزعندهم الاجتهاد فی محاریب الصحابه والتابعین واماعندنا فعلینااتباعهم فی استقبالهاولاعبره لقول الفلکی فی طعن محاریب الصحابهواما فی عامه محاریب المسلمین فلقوله العبده ویجوزالانحراف عنهایمنهاویسرهان افادلقطع اوالظن(۱۱۶)

• شوافع کے نزدیک صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مساجد میں بھی اجتہاد جائز ہے۔ جبکہ ہمارے

نزدیک ان کی مساجد کی اتباع لازم ہے۔ اور کسی ماہر فلکیات کے ایسے قول کا جو صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مساجد کے قبلے سے متعلق ہو۔ کوئی اعتبار نہیں ہے۔ رہا عام مسلمانوں کی بنائی ہوئی مساجد تو ان میں اس کے قول کا اعتبار ہے اور ان میں دائیں یا بائیں ہونا درست ہے۔ بشرطیکہ ان کے قبلے کے بارے میں ظنی یا قطعی طور پر خطا کا شبہ پیدا ہو جائے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ ہم مولانا محمد یوسف بنوری کے (تیار کردہ) حسب ذیل نکات کی صورت میں سمجھ سکتے ہیں۔

۱۔ آبادیوں میں قبلے کی دلیل صحابہ وتابعین اور قابل اعتماد بزرگوں اور علماء کی تعمیر کردہ مساجد ہیں۔

۲۔ اگر وہاں ایسی مسجدیں موجود نہ ہوں تو مقامی لوگوں سے پوچھنا ضروری ہے۔

۳۔ صحابہ وتابعین کی تعمیر کردہ مسجدوں کے قبلوں میں نہ غور وفکر اور اجتہاد جائز ہے۔ اور نہ ان سے دائیں یا بائیں ہونا۔

۴۔ صحابہ وتابعین کی تعمیر کردہ مساجد کے متعلق کسی ماہر فلکیات کا قول معتبر نہ ہوگا۔

۵۔ جب تک شبہ یا اعتراض پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک مسلمانوں کی بنائی ہوئی مساجد کے قبلے سے انحراف کرنا یا اس کے متعلق غور وخوض کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ البتہ شبہ یا اعتراض سامنے آنے پر عام مسلمانوں کی مساجد اور ان کے محرابوں کی سمت میں غور وفکر اور تحری جائز ہے۔

۷۔ قبلہ کے مسئلہ میں جدید علوم اور آلات قبلہ نما اور ماہر فلکیات کے اقوال پر عمل کرنا درست ہے۔ بشرطیکہ وہ صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مسجد کے مخالف نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بہر صورت ان کے قول پر اعتماد کرنا درست ہے۔

۸۔ جدید علوم اور آلات قبلہ نما پر عمل کرنا جائز ہے۔ ضروری نہیں۔

۹۔ محرابوں / مسجدوں میں ان کے قبلے سے تھوڑا بہت انحراف جائز ہے۔ اس طرح کہ ان کی جہت مکمل طور پر تبدیل نہ ہو اور کعبہ کی سمت برقرار رہے۔

۱۰۔ اگر کوئی شخص صاحب اجتہاد ہو تو اس کیلئے ان مساجد میں جن کے قبلے کی تعیین

کرنے والوں کا علم نہ ہو۔ اجتہاد کرنا واجب ہے۔

۱۱۔ اگر کسی مسجد کا قبلہ "جہت کعبہ" سے خارج ہو تو بالاجماع اس کی تقلید جائز نہیں ہے۔

۱۲۔ ایک عام شخص کیلئے تمام مسجدیں یکساں ہیں اور وہ ان میں کسی استفسار اور غور و تحری کے بغیر نماز ادا کرسکتا ہے۔(۱۱۷)

مساجد کے قبلے میں جہت سے قابل معافی انحراف کی مقدار

اب ہم اپنے موضوع کے اس حصے پر پہنچ چکے ہیں۔ جو اس پوری بحث کا لب لباب بھی ہے اور اس تمام بحث و تمحیص کا مقصود و مطلوب بھی۔ یعنی یہ کہ مسجدوں کے محرابوں میں قابل معافی انحراف کی مقدار کتنی ہے۔

اوپر ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ صحابہ و تابعین کی تعمیر کردہ مساجد کے قبلے تو ہر شک و شبے سے بالاتر ہیں۔ ان کے متعلق کسی قسم کا کوئی شک یا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ دوسری مساجد کے قبلے دو صورتوں میں غور و تحری کا مرکز ہوسکتے ہیں۔

اولاً: یہ کہ ان کے قبلے کی جہت پر کسی نے کوئی طعن (اعتراض) کیا ہو۔

ثانیاً: یہ کہ ان کے قبلے کے وضع استعین کرنیوالے کا علم نہ ہو یا پھر وہ مسلمانوں کی عام مساجد ہوں۔

ایسی مساجد کا قبلہ بالاجماع غور و تحری کا "ہدف" ہوسکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسی مساجد کے قبلے میں کس قدر انحراف / جہت کعبہ سے جھکاؤ ہو۔ تو وہ قابل معافی ہے۔

اس انحراف اور اس جھکاؤ کو معلوم کرنے کے سائنسی اور علمی طریقوں پر ہم آئندہ بحث کرنے والے ہیں۔ لیکن یہاں یہ پیش نظر رہے کہ یہ انحراف اور جھکاؤ اسی وقت معتبر اور قابل غور ہوگا جب کسی مستند علمی دلیل سے اس کا ثبوت مہیا ہوجائے۔

اس انحراف کی قابل معافی مقدار کے متعلق جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے۔ تو اس میں قبلے کے متعلق حسب ذیل دو آیات ملتی ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ :۱۱۸) تم جس طرف بھی منہ کرو گے۔ وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

جبکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَحَیْثُمَا کُنْتُم فَوَلُّوا وُجُوهَکُمْ شَطْرَهٗ :(۱۱۹) اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو!

پھر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان میں سے پہلی آیت قبلے کے اشتباہ یا نوافل یا حقیقت امری کے بیان کیلئے ہے۔ جبکہ دوسری آیت زیر بحث مسئلے سے متعلق ہے۔ جس میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لفظ شطر سے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ علمائے کرام نے "جہت" مراد لی ہے۔ اور یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ "نماز کیلئے عین کعبہ" کے بجائے کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ مفسرین اور فقہاء نے شطر سے "تلقاء" یا جہت کے جو معانی مراد لئے ہیں۔ قدرتی طور پر اس سے "استقبال قبلہ" میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور یہ وسعت اس طاقت وقدرت سے مشروط ہے جو نمازی کو بوقت نماز حاصل ہوتی ہے۔ علامہ ابو بکر الجصاص رازی مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اگر وہ شخص کعبہ سے دور ہو تو وہ اس جہت کی طرف منہ کرے جو اس کے غالب گمان میں جہت کعبہ ہے۔ اس لئے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اس کیلئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور ارشاد باری تعالی ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہذا اگر کوئی شخص عین کعبہ کی طرف منہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اس کا مکلف نہیں ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ محض اپنے غالب گمان کا مکلف ہے کہ یہی اس کے نزدیک جہت کعبہ ہے۔ اور غیب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ (۱۲۰)

اس سے پتہ چلا کہ کعبہ سے تھوڑے بہت انحراف کی شریعت میں گنجائش ہے۔ مگر

جہت کعبہ سے انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر جب احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں وہ روایت ملتی ہے جو عین کعبہ کے بجائے "جہت کعبہ" پر حکم کیلئے اساس کا کام دیتی رہی ہے۔ یعنی

مابین المشرق والمغرب قبلۃ (۱۲۱) مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

لیکن چونکہ امام ترمذی نے اس کی سند پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا ایک رواری ابو معشر (نجیح) خرابی حافظہ کے ساتھ مطعون ہے۔ اسلئے انحراف کی قابل قدر معافی کیلئے یہ روایت حجت نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں اگر اس کی دوسری روایت کو "صحیح حسن" تسلیم کرلیا جائے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے تو ایسی صورت میں یہ روایت مؤول ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کی یہ تاویل بیان فرمائی ہے کہ اگر مغرب کو دائیں اور مشرق کو بائیں رکھیں تو اس کے درمیان قبلہ ہوگا اس تاویل کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں مابین سے مراد پورا جنوبی افق نہیں ہے بلکہ جنوبی افق کا وہ وسطی حصہ ہے جو مدینہ منورہ میں مشرق ومغرب کے درمیان کھڑے ہونے سے سامنے آتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس روایت سے مرکز جہت قبلہ سے قدرے انحراف کی گنجائش بہرحال موجود ہے۔

اسی لئے حضرت صحابہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے یہی قول روایت کیا ہے۔ اور تابعین میں سے عبد اللہ بن مبارک کا بھی یہ قول مروی ہے۔ چنانچہ اسی روایت کی بنا پر عبد اللہ بن مبارک نے اہل مرو کیلئے جہت قبلہ میں آسانی پیدا کی تھی

فقہائے کرام کے اقوال

ان روایات اور آثار صحابہ کی بنا پر بعد کے فقہاء نے جہت کعبہ کے مسئلے میں ملت اسلامیہ کیلئے کافی گنجائش پیدا کی ہے اور اس بارے میں انہوں نے کسی قدر وسعت اور چشم

پوشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مسئلے میں قدیم ترین قول علامہ مقریزی نے احمد بن خالد سے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"احمد بن خالد نے صراحت کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول مشرق ومغرب کے مابین قبلہ ہے۔ مدینہ منورہ کے بارے میں ہے۔ لہذا جس شخص کا قبلہ مدینہ منورہ کی سمت میں ہو اس کیلئے مشرق ومغرب کے مابین گنجائش ہے۔ اسی طرح دوسرے شہروں میں بھی گنجائش ہوگی۔ ابو عمر بن عبد اللہ المالکی فرماتے ہیں کہ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے(۱۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ احمد بن خالد اور ان کے ہم عصر علماء اس مسئلے میں مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر وسعت و عمومیت کے قائل تھے۔

علامہ ابن نجیم کا تبصرہ: بعد کے علماء میں سے علامہ ابن نجیم مصری حنفی نے انحراف قلیل اور انحراف کثیر میں فرق کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

لوفرض مثلاخط من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلاد وخط آخر يقطعه على زاويتين قائمتين من جانب يمين المستقبل وشماله ولا يزول تلك المقابله بالانتقال الى اليمين والشمل على ذالک الخط بفراسخ كثيره ولذاوضع العلماء قبله بلد وبلدين وبلاد على سمت واحد(۱۲۳)

مثال کے طور پر اگر نمازی کے چہرے سے جس نے فی الحقیقت کعبہ معلی کی طرف منہ کیا ہوا ہو ایک نکلنے والا خط فرض کریں اور دوسرا وہ خط ہو جو نمازی کے دائیں بائیں سے اس کو دو زاویہ ھائے قائمہ پر قطع کرے۔ اور اس کا کعبہ کے بالمقابل ہونا اسی طرح رہے گا۔ خواہ وہ اس خط پر دائیں بائیں منتقل ہوجائے۔ کئی فرسخ تک ادھر ادھر ہوجائے اس سے علماء نے ایک شہر اور دو شہروں اور متعدد شہروں کے قبلے ایک ہی سمت میں مقرر کیئے ہیں۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ شامی اس کی تائید و توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فعلم ان الانحراف اليسير لايضروهوالذى يبقى معه الوجه اوشئى من جو انبه مسامتاً لعين الكعبه او لهو ائها بان يخرج الخط من

الوجه او بعض جوانبه ویمرعلی الکعبہاوھوائہامستقیماًولایلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامته خارجاًمن جبهه المصلی بل منهااومن جوانبها (۱۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑا انحراف نقصان دہ نہیں ہے۔ یعنی اتنا انحراف جس میں چہرہ یا اس کے پہلو کا کوئی حصہ عین کعبہ یا اس کے خلاء کے بالمقابل رہے۔ اس طرح کہ اس کے چہرے یا اس کے کسی پہلو سے کوئی خط نکلے اور کعبہ یا اس کی خلا پر سے گزرے اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ نمازی کی پیشانی سے جو خط نکلے وہ اس کی سیدھ میں ہو بلکہ اس کے پہلوؤں سے نکلے۔

ان حضرات نے انحراف کی کسی مقدار کی تعیین نہیں فرمائی بلکہ انحراف قلیل اور انحراف کثیر کی تقسیم کر کے اول الذکر کو قابل معافی اور موخرالذکر کو ناقابل معافی قرار دیا ہے۔ [illegible]ناف کی تمام معتبر کتابوں میں اس بحث کو یہاں تک ہی محدود رکھا گیا ہے اور [illegible]حراف قلیل اور انحراف کثیر کا فیصلہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ اسے نمازی کی صوابدید پر چھوڑا ہے کہ اگر اس کے خیال میں انحراف قلیل ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں اور اگر اس سے زیادہ مقدار میں انحراف ہو تو وہ قابل مؤاخذہ ہے۔ چنانچہ شیخ ابومنصور فرماتے ہیں "جب نمازی دو تہائیوں کو اپنے دائیں طرف اور ایک تہائی بائیں طرف رکھ لے تو ان کے درمیان کعبہ ہے (۱۲۵)

پھر اگر اس کا چہرہ اس حد سے نکل جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوجائے گی لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور حق یہ ہے کہ نماز کی صحت وعدم صحت کا تعلق بعض خطوں سے ہے۔ جہاں قبلہ دو مغربوں کے مابین واقع ہے (۱۲۶)

اسی طرح فتاوی ظہیریہ میں ہے۔

اذا تیامن او تیاسر یجوز لان وجه الانسان مقوس فعند التیامن او التیاسر یکون احد جانبیه الی القبله (۱۲۷)

اگر وہ قبلے سے دائیں یا بائیں ہو گیا تو درست ہے۔ اس لئے کہ انسان کا چہرہ گول ہے۔ تو دائیں یا بائیں چہرہ ہونے کی بنا پر دونوں میں سے ایک جانب قبلہ کی طرف ہو گی۔
اسی قسم کی عبارت علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر اور شرح المنیہ وغیرہ میں بھی ملتی ہیں۔
متاخرین میں بعض علماء نے اس قابل معافی انحراف کی مقدار ربع دائرہ (۴۵ درجے) تک محدود (یا ممتد) کر دی ہے حالانکہ متقدمین کے ہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ فتاوی الخیریہ میں ہے۔

ومن القواعد الفلكيه اذا كان الانحراف عن مقتضى الادله اكثر من خمس واربعين درجهً يمنه اويسره يكون ذالك الانحراف خارجاًعن جهه الربع الذى فيه مكه المكرمه

قواعد فلکیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر نمازی کا انحراف دلائل کے مقتضی سے ۴۵ درجے دائیں طرف یا بائیں طرف ہو تو یہ انحراف اسی ربع دائرہ سے خارج ہو گا جس میں مکہ مکرمہ ہے۔
آگے چل کر یہی فقیہ لکھتے ہیں۔

فهل هذه المحاريب التى انحرافها كثيرفاحش يجب الانحراف فيهايسره الى جهه مقتضى الادله والحاله ماذكرناام لا ؟واذاقلتم يجب فهل اذا عمد شخص وصلى فى هذه المحاريب بعداثبات ماذكرناتكون صلاته فاسده ... اجاب حيث زالت بالانحراف المذكورالمقابله بالكليه بحيث لم يبق شئى من سطح الوجه مسامتاًللكعبه عدم الاستقبال المشروط لصحة الصلواه بالاجماع واذاعدم الشرط عدم المشروط

پھر کیا وہ محرابیں جن میں انحراف کثیر پایا جائے ان میں حسب مقتضائے دلالت اور حسب حال دوسری جانب پھرنا ضروری ہے یا نہیں۔ پھر اگر اس کا جواب وجوب میں ہو تو پھر اگر کوئی شخص دانستہ اثبات دلائل کے باوجود ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو آیا اس کی نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چونکہ اس کا چہرہ کعبہ کے بالمقابل بالکل

نہیں رہا اور کعبہ کے بالمقابل اس کے چہرے کا کوئی حصہ نہیں رہا۔ لہذا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اس لئے کہ صحت نماز کیلئے جو استقبال کا ہونا شرط ہے وہ نہیں پایا گیا اور اصول یہ ہے کہ جب شرط نہ پائی جائے تو مشروط معدوم ہوجاتا ہے۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ علامہ خیر الدین رحمہ للہ گویا ۴۵ درجے کم تک اس کے چہرے کو کعبہ کے بالمقابل اور ۴۵ درجے یا اس سے اوپر کعبہ سے منحرف خیال کرتے ہیں۔ علامہ خیر الدین کے اس مؤقف سے انحراف قبلہ میں بڑی گنجائش اور وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے متاخرین نے ان کے اسی قول پر اعتماد کیا ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس پر مزید اضافہ کیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ نمازی کے دائیں بائیں دونوں طرف ۲۴۔۲۴ درجے تک اگر انحراف ہو تو قابل معافی ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو تو وہ قابل معافی نہیں ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر ۴۸ درجے تک کا انحراف ان کے نزدیک انحراف قلیل ہے اور اس سے زیادہ کا انحراف کثیر ہے۔(۱۲۹)۔

یہی موقف مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا۔ جب ان سے اس مسئلے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے لکھا:

''چونکہ اہل ہند کا قبلہ مغرب میں ہے اس لئے استقبال قبلہ کے معنی ہیں کہ ایک خط جو کعبہ سے گزرتا ہوا جنوب کی طرف نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دوزاویہ قائمہ پیدا ہوجائیں وہ قبلہ مستقیم ہے۔ اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہ(پیشانی) کو چھوڑ کر طرفین جبہ کے کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کرے وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہوجائے گی۔ اور اگر وہ جبہ کے کسی طرف سے بھی زاویہ قائمہ پیدا نہ ہو تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز درست نہ ہوگی۔(۱۳۰)اس کے بعد مولانا نے اپنے دوسرے مکتوب میں فتاوی خیریہ کی عبارت کے مطابق فتوی دیتے ہوئے لکھا:

اگر قواعد ھیئت کی رو سے ان میں سمت حقیقی سے کچھ انحراف بھی ہو جس میں اصل قاعدے سے ربع دائرہ تک اور بنا بر احتیاط ''بین المغربین: یعنی ہر طرف ۲۴ درجہ مجموعہ ۴۸ درجے تک گنجائش ہے۔ اس بنا پر دونوں انحراف مذکورہ فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی

نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اول یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں یا قرب وجوار میں ہوں ان کی موافق اس مسجد کو درست کرلیا جائے (۱۳۱)

مفتی رشید احمد صاحب نے بھی اس مسئلے میں مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا تھانوی صاحب کے فتوے کی حرف بحرف تائید کی۔ اور لکھا ہے:

اس چیز کو فقہائے کرام نے اس طرح بیان کیا ہے کہ مصلی کے وسط جبہ سے ایک خط مستقیم نکل کر عین کعبہ پر سے گزرے۔ تو یہ قبلہ مستقیم ہے۔ اور اگر خط مذکور پر دوسرا خط علی زوایا قوائم کھینچا جائے تو اس خط پر مصلی کا مستقیماً قیام کرنا انحراف قلیل ہے ورنہ انحراف کثیر جو مفسد صلواۃ ہے۔ اور علمائے ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل و کثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ ۴۵ درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر مفسد صلواۃ ہے۔ کمافی الخیریہ (۱۳۲)

صاحب بغیہ کا موقف ومسلک: ان حضرات کا یہ موقف مولانا یوسف بنوری (صاحب بغیہ الاعاریب) کی تحقیق پر مبنی ہے۔ جنہوں نے اس مسئلے پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ اور اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

فان کان الانحراف الجائز بقدرثمن المحیط الذی ھوخمس واربعون درجہ من دائرہالافق فلایخرج عن حدالانحراف الجائزالی ان یصیربعد المحراب عن تلک النقطہ بقدربعدالنقطہعن الکعبہ فان کان بعدالنقطہ التی علیھا المصلی عن الکعبہ بقدر فرسخ فیجوزالانتقال علی ذالک الخط الموازی بقدرفرسخ ایضاًوان کان بعدھابقدراربعین مرحلہ فیجوز الانتقال بقدر اربعین مرحلہایضاًوھکذاوان کان الانحراف الجائزبقدر عشرالمحیط الذی ست وثلاثون درجہففیمااذا کان بعدالنقطہ عن الکعبہ بقدراربعین مرحلہ یجوزالانتقال بقدرتسع وعشرین مرحلہوما دونہالاالی فوقہاوفیمااذا کان بعدھابقدرفرسخ یجوزالانتقال الی

تسعه وعشرين جزء من فرسخ اى اذاجزئى اربعين جزء)لالى مازادعليه وهو معنى ماقالوامن ان المسامه من بعيدلاتزول بالانحراف الذى تزول به من قريب بل تبقى بانتقال مناسب لذالک البعد(۱۳۳)

پس اگرانحراف جائز محیط کے آٹھویں حصہ کے مطابق ہوجوافقی دائراہ کے ۴۵ درجے تک ہے تو یہ انحراف جائز مقدار سے باہر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ محراب کا فاصلہ اس نقطہ سے اس نقطہ کے کعبہ سے فاصلے کے برابر ہوجائے۔ پھر اگراس نقطے کا کعبہ سے فاصلہ جس پر نمازی کھڑاہوا ایک فرسخ کی مقدار میں ہو تواس کے متوازی خط پرایک فرسخ کے برابر منتقل ہوناجائزہے اوراگراس کا فاصلہ اس سے چالیس مرحلوں کے برابر ہو تواس جگہ سے اتنی ہی مقدار میں یعنی چالیس مرحلوں تک منتقل ہونا درست ہے۔ اسی طرح آخر تک اور اگر جائزانحراف محیط کے دسویں حصہ کے برابر ہو جو ۳۶ درجے ہے تو اس صورت میں جب مذکورہ نقطے کا کعبہ سے فاصلہ چالیس مرحلے تک ہو تواس سے ۲۹ مرحلے اس سے کم نہ کہ اس سے زیادہ تک منتقل ہونا درست ہے۔ اور اگراس نقطے کا فاصلہ کعبہ سے چالیس مرحلے تک ہو تو اس جگہ سے ۲۹ مرحلوں تک منتقل ہونا درست ہے اور اس صورت میں جب اس کا فاصلہ ایک فرسخ ہو تو اس سے فرسخ کے ۲۹ اجزاء تک منتقل ہونا جائز ہے(بشرطیکہ فرسخ کو چالیس حصوں میں تقسیم کیا گیاہو)اس سے زیادہ نہیں۔ فقہاء کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ مسافت کی صورت میں کسی شئی کا مقابلہ ہونا جتنی مقدار میں زائل ہوتا ہے لمبی مسافت میں نہیں ہوتا۔

استدراک: ان تمام بزرگوں کے اقوال سے اگرچہ جہت کعبہ میں انحراف کی بڑھی گنجائش پیداہوگئی ہے لیکن

اولاً: تو قرآن وحدیث کی نصوص سے اتنی مقدار میں گنجائش کا ہونا درجہ احتمال میں

ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے بالتفصیل جائزہ لیا۔ متقدمین نے اس قابل معافی انحراف کی مقدار بیان نہیں کی۔ یہ مقدار متأخرین کے اجتہاد پر مبنی ہے اور اجتہاد میں صواب وخطاء دونوں احتمالات موجود ہوتے ہیں۔ پھر جن ائمہ کرام (مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ) نے جہت کعبہ کے بجائے عین کعبہ کے قبلہ ہونے پر زور دیا ہو توان کے نزدیک تواس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر اس احتمال یعنی اتنی مقدار میں انحراف کی گنجائش کودرست تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ گنجائش مجبوری کی صورت میں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے فقہاء نے نجاست کی ایک خاص مقدار کو قابل معافی قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہم اتنی مقدار میں ناپ تول کر نجاست کو اپنے جسم پر لگاتے پھریں۔ بلکہ یہ حکم اس وقت کا ہے جب کسی مجبوری کے وقت اس کو نماز پڑھنا پڑے اور اسکے پاس متبادل کپڑے موجود نہ ہوں یا اس کپڑے کو دھونے کا موقع نہ ملے تو مجبوری اور عذر ہونے کی بنا پر اس کی نماز درست ہوگی۔

اسی طرح "قبلہ رو" ہونے کے معاملے میں بھی اگر اس گنجائش کو درست مان لیا جائے تو یہ حکم اس صورت میں ہوگا۔ جب کسی مجبوری کے تحت اس کو قدرے انحراف کے ساتھ نماز پڑھنی پڑجائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیدہ دانستہ قبلہ سے انحراف اختیار کرلیا جائے۔

اس وقت جب انسان اپنے ہر مسئلے میں درستگی اور صواب کا درپے ہے۔ اس نے علم اور سائنس کے ذریعے اپنی زندگی کے تمام مسائل حل کرلئے ہیں یا ان کے حل کی کوشش میں مصروف ہے۔ وہ سفر جو مہینوں میں طے ہوتے تھے۔ اب گھنٹوں میں طے کرلئے ہیں۔ ساری دنیا سمٹ کر ایک گھر اور ایک خاندان کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ ان حالات میں سائنس اور علوم جدیدہ کی روشنی میں قبلہ جیسے اہم ترین مسئلے کو جس کی درستگی پر نماز کی صحت کا دارومدار ہے۔ کیوں نہ اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق درست رکھا جائے۔

جو لوگ کسی مسجد کی تعمیر کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں ان پر یہ ذمہ داری دوسروں کی نسبت سے اور بھی زیادہ عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ قبلہ کی درستگی کا خصوصی طور پر اہتمام کریں۔ اس لئے کہ وہ ان تمام لوگوں، ان تمام نسلوں اور ان تمام انسانوں کی نمازوں اور ان کی

عبادتوں کے امین ہیں جو ان پر اعتماد کر کے ان کی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں یا کریں گے۔ اگر انہوں نے قبلے کا رخ متعین کرنے میں غفلت، سستی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا تو ان تمام لوگوں کی نمازوں کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔

قیامت کے دن اگر اللہ تعالی نے ان سے یہ پوچھا کہ بتاؤ تمام ممکنہ وسائل کے میسر ہوتے ہوئے تم نے قبلہ رخ کے متعین کرنے میں کوتاہی اور غفلت کیوں کی؟ تم نے میرے ہزاروں بندوں کی نمازیں اور عبادتیں کیوں خراب کیں۔ تم نے امانت اور دیانت کے وہ تقاضے کیوں ادا نہ کئے جو لوگوں نے تمہاری گردن پر عائد کیئے تھے۔ تو وہ کیا جواب دیں گے؟ اس لئے مسجد بنانے والوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ جدید آلات اور جدید علوم کی روشنی میں بالکل درست اور صحیح طریقے پر قبلے کا رخ متعین کریں اور اپنی اس ذمہ داری سے کامل دیانت اور اولوالعزمی کے ساتھ عہدہ براء ہونے کی کوشش کریں۔

ہم اس بحث کا اختتام مولانا یوسف بنوری قدس سرہ کے ان نتائج پر کرتے ہیں جو انہوں نے اس مسئلے کے حل کیلئے اس بحث کے آخر میں پیش کیے ہیں۔ ان کیے پیش کردہ نتائج کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ عام مسلمانوں کی تعمیر کردہ مساجد کے قبلے میں غور و تحری کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔ اسی طرح مسجدوں کے محرابوں سے دائیں یا بائیں تھوڑا بہت انحراف کرنا درست ہے۔

۲۔ قبلے کے بارے میں ہندسی دلائل (انجینرنگ) سے استفادہ کرنا درست ہے۔ اسی طرح اس مسئلے میں ماہر فلکیات کے قول پر عمل کرنا بھی درست ہے۔ یہ ہمارا مسلک ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چاہے صحابہ وتابعین کی بنائی ہوئی مساجد ہوں یا عام مسلمانوں کی دونوں صورتوں میں ان کے قول پر عمل جائز ہے۔ بلکہ ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل کرنا ممکن ہو۔ جیسا کہ وہ مشہور ہے

۳۔ جو محراب سمت قبلہ سے خارج ہو۔ بالاجماع اس کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس محراب میں تھوڑے بہت انحراف کی اجازت ہے(۱۳۴)

مولانا بنوری کے بیان کردہ ان نتائج کی روشنی میں ہم حسب ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مساجد کے قبلے کی تعین حسب ذیل اصول پر کی جائے۔

I: اگر تو اس شہر میں ایسی قدیم مسجد موجود ہو جس کے قبلے کی تعیین پر تمام لوگ متفق ہوں جیسے لاہور میں "بادشاہی مسجد" ہے تو اس کے قبلے کے مطابق قبلہ متعین کیا جائے۔

II: اور اگر ایسی کوئی متفق علیہ مسجد موجود نہ ہو تو قبلے کی تعیین جدید قواعد و ضوابط اور جدید سائنسی اور ہندسی آلات کی مدد سے انتہائی ذمہ داری سے کی جائے۔

III : قبلے کی تعین کیلئے کسی ایک طریقے پر انحصار نہ کیا جائے بلکہ شمسی، ہندسی اور فلکیات کے تمام طریقوں کے مطابق تعین قبلہ کی تسلی کرلی جائے۔ مثال کے طور پر اگر قبلے کی تعیین آلۂ قطب نما کے ساتھ کی گئی ہو تو اس کی تصدیق سورج (سائے کے جھکاؤ) اور ستاروں وغیرہ کی مدد سے بھی کرلی جائے اور جب تک پوری طرح تسلی نہ ہو اس وقت تک مسجد کی تعمیر نہ کی جائے۔

۲۔ تعمیر مسجد کے ہر مرحلے پر متعین کردہ قبلے کی سمت کا جائزہ لیا جاتا رہے مثلاً جب دیواریں بن جائیں اور پھر جب ہال کی فنشنگ وغیرہ ہو تو اس وقت بھی اس کے قبلے کی سمت کا جائزہ لیا جائے۔ اسی طرح جب اوپر والی منزل ڈالی جائے تو اس موقع پر بھی قبلہ رخ" کا جائزہ لیا جائے۔

تعمیر شدہ مسجد کے منحرف قبلے کی درستگی

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر جدید آلات کی مدد سے کسی تعمیر شدہ مسجد کے قبلے میں انحراف ثابت ہوجائے تو اس کا قبلہ کس طرح درست کیا جائے۔

ہم نے اس سوال پر مختلف ماہرین سے تبادلہ خیال کیا ہے۔ جس کی روشنی میں اس کا حل یہ ہے کہ

(۱) اگر تو انحراف کم ہو تو اس کو مسجد کی سابقہ عمارت میں ہی درست کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر مسجد کا قبلہ کعبہ سے دس درجے شمال کی طرف ہو تو اس کی درستگی کی صورت یہ

ہے کہ اتنے ہی درجے مسجد کا قبلہ جنوب کی طرف کردیا جائے یعنی اتنے درجے محراب کے اندر مصلی اور ہال میں صفوں کا رخ بدل دیا جائے۔

اس طرح بہت کم خرچہ ہوگا۔ لیکن مسجد کا قبلہ درست ہوجائے گا۔

(۲) اس مقصد کیلئے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ثانیاً: اگر مسجد کے قبلے میں انحراف بہت زیادہ ہو تو اس کی درستگی کی صورت یہ ہے کہ اس کا محراب بدل دیا جائے اور مسجد کی صفیں حسب ضرورت ٹیڑھی کردی جائیں۔ اور اگلی جانب جو جگہ نکلے گی۔ اس کو قرآن حکیم کی تپائیاں یا جوتیوں کے بکس (Boxes) وغیرہ رکھنے کے کام لایا جاسکتا ہے۔

حکومت کی نگرانی میں ایک بورڈ کے قیام کی ضرورت

اس اہم اور وسیع مسئلے کیلئے حکومت یا حکومت کا کوئی ادارہ مثلاً محکمہ اوقاف کوئی ایسا بورڈ قائم کرے جو جہاں ضرورت ہو وہاں جا کر مساجد کے قبلے کی تصحیح کرے اور مساجد کے منتظمین کو ماہرانہ مشورہ دے۔ اس ادارے میں ماہرین کے علاوہ جید علمائے کرام بھی شامل کیا جائے تاکہ ماہرین حال تجویز کرتے وقت اسلامی تعلیمات کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اور مسلمان اس اہم ترین مسئلے میں "علمی یتیمی" کا شکار نظر نہ آئیں۔

حوالہ جات

۱- النور (۲۴): ۳۵

۲- الشوریٰ (۴۲): ۱۱

۳- البقرہ (۲): ۱۴۸

۴- ابن منظور: لسان العرب، مطبوعہ قاہرہ، ۱۴/۶۳، بذیل مادہ قبل۔

۵- النووی کا پورا نام یحیٰ بن شرف تھا۔ وہ ۶۷۶/ ۱۲۷۷ء میں فوت ہوئے۔
"اربعین" "تہذیب الاسماء واللغات ریاض الصالحین" وغیرہ شامل ہیں۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ بذیل مادہ)

۶- تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ قاہرہ، ۲: ۷۹

۷- البخاری والمسلم

۸- تفسیر کبیر، جلد دوم۔

۹- القاموس، بذیل مادہ)

۱۰- مولانا محمد یوسف بنوری: بغیۃ الاعاریب فی مسائل القبلہ والمحاریب۔ مطبوعہ قاہرہ۔ ۱۹۳۹ء، ص ۶۵- ۶۶

۱۱- فتح القدیر، کتاب الصلواہ

۱۲- بغیہ۔ ص ۶۶۵

۱۳- ایضاً، ص ۶۷

۱۴- احیاء علوم الدین، بغیہ، ص ۶۳ - ۶۴

۱۵- المقریزی: الخط والاثار۔ مطبوعہ قاہرہ، ۲: ۲۶۲

۱۶- البقرہ: (۲/۱۴۴)

۱۷- البقرہ: (۲/۱۴۹)

۱۸- البقرہ: (۲/۱۵۰)

۱۹۔ البقرہ:(۲/۱۴۳)

۲۰۔ لسان العرب:۶/۷۳

۲۱۔ مسلم (کتاب الطہارہ)،۱،۲۰۳(حدیث ۲۲۳)

۲۲۔ ابن منظور، لسان العرب، بزیل مادہ۔

۲۳۔ البقرہ:(۲/۱۱۵)

۲۴۔ الترمذی، کتاب الصلواہ

۲۵۔ القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ بیروت۔

۲۶۔ مسلم ۱:۴۸۶،ح ۷۰۰۔

۲۷۔ مسلم ح: ۷۰۰/۳۵۔

۲۸۔ القرطبی، ۲:۷۷۔

۲۹۔ البقرہ:(۲/۱۱۵)

۳۰۔ القرطبی، ۲/۴:۷۷-۷۸

۳۱۔ مسلم (کتاب الصلواہ)

۳۲۔ البخاری، (کتاب الصلواہ، باب فضل استقبال القبلہ)

۳۳۔ مسلم، ۱:۳۷۵(ح:۵۶۲، کتاب الصلواہ)اس روایت میں فجر کی نماز میں لوگوں کے رخ بدلنے کا ذکر ہے۔ جبکہ ایک دوسری روایت میں نماز ظہر یا نماز عصر کا واقعہ مذکور ہے۔ دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اول الذکر واقعہ مسجد قبا میں پیش آیا اور دوسرا واقعہ بنی سلمہ کا ہے۔(نیز البخاری، ۱:۱۱۱)

۳۴۔ البخاری ۱۰:۱۰۸، کتاب الصلواہ۔

۳۵۔ ابو داؤد: السنن (کتاب الصلواہ)

۳۶۔ نیل الاوطار

۳۷۔ ابو حیان: الدر اللقیط من بحر المحیط، جلد اول۔

۳۸۔ بدایہ المجتہد، کتاب الصلواہ)

۳۹۔ ھدایہ، ۱:۹۱۔
۴۰۔ ایضاً
۴۱۔ تفسیر الکشاف (مع حاشیہ الجرجانی)، ۱:۳۲۰۔
۴۲۔ تفسیر مظھری، ۱:۱۴۳
۴۳۔ بغیہ، ص:۴۹۔
۴۴۔ المبسوط، ۱:۱۰۔
۴۵۔ بغیہ، ص ۴۸
۴۶۔ بدائع الصنائع، کتاب الصلواہ)
۴۷۔ الانتصاف (کتاب الصلواہ)
۴۸۔ معجم الفقہ الحنبلی مطبوعہ وزارت اوقاف کویت، ا، ۶۰ - ۶۱
۴۹۔ کتاب الام، ا:۸۱۔ مطبوعہ قاہرہ۔
۵۰۔ الرسالہ، مطبوعہ قاہرہ، ص ۵
۵۱۔ المھذب فی الفقہ علی مذھب الشافعی، مطبوعہ قاہرہ، ص ۶۷ - ۶۹۔
۵۲۔ بغیہ، ص ۵۴۔ بحوالہ تفسیر الکبیر
۵۳۔ ابن جریر الطبری: تفسیر، (آیت ۴۲-۴۸) السیوطی: الدر المنثور، مطبوعہ بیروت، ۱:۱۴۷-۱۴۸۔
۵۴۔ تفسیر الکشاف، ۱:۳۲۰۔
۵۵۔ بغیہ ص ۵۱ بحوالہ مستدرک الحاکم علی الصحیحین۔
۵۶۔ السعایہ، ۲:۶۵۔
۵۷۔ البقرہ: (۴۸/۲)
۵۸۔ الجصاص رازی: احکام القرآن ۱:۹۵-۹۶، طبع محمد الصادق قمحاوی، بیروت۔
۵۹۔ روح المعانی - ۲:
۶۰۔ البیھقی السنن: السیوطی الدر المنثور: ۷۱۴: ابن حجر: التلخیص الجبیر، ص ۷۹،

اس روایت کی سند پر ابن حجر اور البیہقی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (العمدہ، ۲:۲۹۸)

۶۱۔ الترمذی، الجامع السنن، ۲:۷۰۔
۶۲۔ الترمذی، الجامع السنن، ۲:۷۰۔
۶۳۔ الترمذی، الجامع السنن، ۲:۷۰۔
۶۴۔ العمدہ ۱:۲۸۸ (باب الصلواہ)
۶۵۔ الرازی: تفسیر الکبیر (تفسیر آیت ۴۲-۴۸)
۶۶۔ بغیہ، ص ۵۴۔
۶۷۔ احیاء۔ کتاب آداب المسافر)
۶۸۔ الحج (۲۲/۷۸)
۶۹۔ بدایہ المجتہد (کتاب الصلواہ)
۷۰۔ احکام القرآن، ۱:۱۹
۷۱۔ عارضہ الاحوذی فی شرح الترمذی (کتاب الصلواہ)
۷۲۔ کشف القناع
۷۳۔ بغیہ، ص ۵۸۔
۷۴۔ الرسالہ، ص ۶۷
۷۵۔ الرسالہ، ص ۶۶
۷۶۔ وفاء الوفاء، ۱:۴۷۲
۷۷۔ بدائع الصنائع (کتاب الصلواہ)
۷۸۔ ھدایہ، ۱:۹۱-۹۲۔
۷۹۔ معجم الفقہ الحنبلی، ۱:۶۱-۶۳۔
۸۰۔ ھدایہ، ۱:۹۱
۸۱۔ ایضاً

۸۲- معجم الفقہ الحنبلی، ۱: ۶۰-۶۱-

۸۳- ابن طولون کی یہ مسجد قاہرہ کی قدیم اور عظیم مساجد میں ہے- یہ تیسری قدیم مسجد ہے- جو "حرم مکی" کی طرز پر بنائی گئی- مولانا محمد یوسف بنوری نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ مسجد دیکھی ہے- لیکن افسوس کہ اب اس میں نماز جمعہ تو در کنار پنجگانہ نماز تک نہیں ہوتی- (بغیہ (۲۷-ح ۱)

۸۴- المقریزی، الخط، ۳: ۲۵۶-

۸۵- ایضاً، ص ۲۴۶-۲۴۷

۸۶- وفاء الوفاء، ۱: ۱۶۱

۸۷- بدرالدین عینی: شرح الصحیح البخاری، ۲: ۲۹۷ طبع آستانہ

۸۸- السمہودی: وفاء الوفاء ۱: ۲۶۱

۸۹- الشفاء (فصل وفور عقلہ)

۹۰- المقریزی، الخطط

۹۱- وفاء الوافاء، ۱: ۲۷۳، النووی: شرح المہذب، ۳: ۲۰۳

۹۲- نسیم الریاض، ۱: ۳۶۹

۹۳- النجم (۵۳/۳-۴)

۹۴- وفاء الوفاء، ص ۲۷۴

۹۵- شرح الاقناع (کتاب الصلواہ)

۹۶- ابن نجیم: البحرالرائق، ۱: ۳۰۲

۹۷- المقریزی: الخطط، ۲: ۲۴۶-۲۴۷

۹۸- مفتی محمد شفیع: جواہر الفقہ، ۱: ۲۵۹ (مطبوعہ کراچی)

۹۹- الخطط، ۲: ۲۷۴

۱۰۰- النحل: (۲۷/۴۰)

۱۰۱- بغیہ، ص ۸۴-

۱۰۲- بدائع الصنائع ۲: ۱۱۸

۱۰۳- فتاوی قاضی خان برہامش فتاوی عالمگیری، ۱: ۶۳- مطبوعہ کوئٹہ۔

۱۰۴- فتاوی عالمگیری، ۱: ۶۳- مطبوعہ کوئٹہ

۱۰۵- عبد الرحمان الجزیری: الفقہ علی المذاهب الاربعہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، ص ۱: ۳۱۲-۳۱۴

۱۰۶- ایضاً، ۱: ۳۱۴-۳۱۷

۱۰۷- معجم الفقہ الحنبلی، بزیل مادہ، ۱: ۶۱-

۱۰۸- الفقہ علی المذاهب الاربعہ، ۱: ۳۱۶-۳۱۷

۱۰۹- بغیہ، ص ۸۴-

۱۱۰- الجزیری، ۱: ۳۱۵-۳۱۶

۱۱۱- المھذب، کتاب الصلواہ

۱۱۲- شرح المھذب، ۳: ۲۰۱

۱۱۳- الشامل، مطبوعہ ھند، ۱: ۵۸۵

۱۱۴- محمد ظفر الدین قادری: مشرقی اور سمت قبلہ (در جواہر الفقہ، ۱: ۲۷۷) بحوالہ علامہ مشرقی

۱۱۵- بغیہ، ص ۷۶، بحوالہ فتاوی عالمگیری، الخیریہ۔

۱۱۶- ایضاً "ص ۷۷-

۱۱۷- ایضاً، ص ۷۷-۷۸

۱۱۸- البقرہ (۲/۱۱۵)

۱۱۹- ایضاً البقرہ (۲/۱۴۴)

۱۲۰- احکام القرآن، مطبوعہ بیروت، ۱: ۱۱۲

۱۲۱- الترمذی، ۱: ۷۰-

۱۲۲- الخطط، ۱: ۲۵۸

۱۲۳- البحر الرائق، ۱:۳۰۱-

۱۲۴- حاشیہ البحر الرائق، ۱:۲۸۷-

۱۲۵- بغیہ، ص ۱۴۴-

۱۲۶- ایضاً

۱۲۷- فتاوی الظہیریہ-

۱۲۸- فتاوی خیریہ ۱:۱۰۹-

۱۲۹- جواہر الفقہ- ۱:۲۴۴-

۱۳۰- ایضاً، ۱:۲۴۶-

۱۳۱- ایضاً (مکتوب مرقومہ ۴ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ)

۱۳۲- احسن الفتاوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۲۵-

۱۳۳- بغیہ، ص ۱۸۰- ۱۸۱-

۱۳۴- ایضاً، ص ۱۴۱- ۱۴۲-